جلد ۲۰ — عدد ۸

وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القرآن)

ماہنامہ

میثاق

لاہور

اگست ۱۹۷۱ء

★

زیر سرپرستی

مولانا امین احسن اصلاحی

★

مدیر اعزازی

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

★

مدیر مسؤل

ڈاکٹر اسرار احمد

ایم۔بی۔بی۔ایس (پنجاب) ایم۔اے اسلامیات (کراچی)

* * * * *

یکے از مطبوعات

دار الاشاعۃ الاسلامیہ لاہور

کوثر روڈ ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ۔ ۱ (فون ۶۹۵۲۲)

قیمت فی پرچہ : ایک روپیہ

دارالاشاعت الاسلامیہ لاہور

کا مقصد

علومِ قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت

ہے : تاکہ

① عوام کی توجہات قرآن حکیم کی جانب منعطف ہوں ذہنوں پر اُس کی عظمت کا نقش قائم ہو دلوں میں اس کی محبت جاگزیں ہو ——— اور اس کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو جائے۔

② بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے متعارف ہوں اور ان میں سے کچھ تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی نکل آئے جو اس کی قدر و قیمت سے اس حد تک آگاہ ہو جائیں کہ پوری زندگی اس کے علم و حکمت کی تحصیل اور نشر و اشاعت کیلئے وقف کر دیں۔

تاکہ

ایک عظیم الشان قرآن اکیڈمی کے قیام

کی راہ ہموار ہو سکے!

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ

دعوتِ توثیقِ عہدِ الست و تجدید میثاق ایمان کا علمبردار

ماہنامہ میثاق لاہور

• جلد ۱۸ —— • شمارہ ۷-۸

بابت
جولائی ، اگست ۱۹۷۱ء

* فی پرچہ —— ایک روپیہ
* سالانہ —— دس روپے

شرائط ایجنسی

ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے
پرچہ صرف بذریعہ وی پی پی ارسال ہوگا
کمیشن ۲۵ فی صد —— محصول ڈاک بذمہ "میثاق"

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دارالاشاعت الاسلامیہ

کوثر روڈ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ۱ : فون ۶۹۵۲۲

فہرست مضامین

★ تذکرہ و تبصرہ ——————— اسرار احمدؒ ۳

★ مطالعۂ قرآن ———————

● مطالعۂ قرآن کا ایک منتخب نصاب (۱) ..... اسرار احمدؒ ۷

★ تدبّر قرآن ——————— مولانا امین احسن اصلاحی

● تفسیر سورۂ انفال (۱) ------------------ ۱۷

★ تعارف کتب ——————— ادارہ

● سیرت امام ابوحنیفہؒ : تالیف حکیم پروفیسر علی احمدؒ عباسی ... ۵۲

● قرآنی تعلیمات کا نقطۂ ماسکہ : توحید ... تالیف عبیداللہ فاروقی ۵۵

نرخنامہ اشتہارات

★ کور کا صفحہ نمبر ۴ (مکمل) ——————— ۲۰۰/۰۰

★ کور کے صفحات ۲ و ۳ (مکمل) ——————— ۱۷۵/۰۰

(ان کے لئے بلاک مہیا کئے جائیں ورنہ طباعت ٹائپ میں ہو گی)

★ عام صفحات مکمل صفحہ -/۱۵۰ نصف صفحہ -/۸۰

★ مسلسل چھ اشاعتوں پر ۱۲½ اور بارہ اشاعتوں پر ۲۵ فیصد رعایت

نوٹ : خلاف شرع اشتہار شائع نہیں کیا جائے گا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسرار احمد

تذکرہ و تبصرہ

گزشتہ شمارے میں عرض کر دیا گیا تھا کہ نیوز پرنٹ پر حکومت کے سخت کنٹرول کے پیش نظر میثاق کے لیے کوٹا مقرر کرانے کے لئے بعض ضروری معلومات درکار تھیں جن کے حصول میں دشواری ہو رہی تھی۔ بہت تاخیر اور ایک حد تک مایوسی سے دوچار ہو چکنے کے بعد ایک رفیق کی کرم فرمائی سے وہ مرحلہ طے ہوا تو نیوز پرنٹ کے کنٹرولر صاحب سے کوٹا کی منظوری کے لئے درخواست دی گئی۔ وہاں سے پہلی ایک بار تو اس دلیل کی بنا پر کورا جواب مل گیا کہ 'میثاق' کی اشاعت بے قاعدہ رہی ہے، اور بے قاعدہ شائع ہونے والے جرائد کے لئے نیوز پرنٹ کا کوٹا نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن پھر انہوں نے ایک دینی جریدے کے ساتھ تعاون کے جذبہ کے تحت کوٹا منظور فرما لیا۔ تاہم اس بھاگ دوڑ میں پرچے کی اشاعت موخر ہو گئی۔ لیکن اب یہ مسئلہ چونکہ مستقل طور پر حل ہو گیا ہے لہٰذا آئندہ توقع ہے کہ تاخیر نہیں ہوگی واللہ اعلم

گزشتہ پرچے میں وعدہ کیا گیا تھا کہ اس شمارے میں 'میثاق' کے دورِ ثانی کے پانچ سالوں پر ایک نگاہ بازگشت ڈالی جائے گی اور یہ واضح کیا جائے گا کہ راقم الحروف نے 'میثاق' کی اشاعت کا بیڑہ کن مقاصد کے تحت اٹھایا تھا اور ان پانچ سالوں میں ان میں سے کس کس مقصد میں کتنی کامیابی ہوئی ہے یا کس حد تک پیش قدمی کی جا سکی ہے۔ اس STOCK-TAKING کے ساتھ آئندہ کے لئے 'میثاق' کی پالیسی کے واضح خطوط بھی متعین کرنے کا خیال تھا۔ لیکن اس شمارے میں اس موضوع پر ایک خاص وجہ سے قلم نہیں اٹھایا جا رہا۔ انشاءاللہ آئندہ شمارے میں وہ وجہ بھی ظاہر کر دی جائے گی اور اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو بھی ہوگی اور نہ صرف 'میثاق' بلکہ خود راقم الحروف کے "ماضی" "حال" اور "مستقبل" کا ایک مکمل جائزہ پیش خدمت کر دیا جائے گا۔ واللہ الموفق والمستعان!

اس موقع پر مناسب ہے کہ 'میثاق' کے انتظامی و مالی مسائل اور اس کے ساتھ تعاون کی صورتوں پر بھی مزید گفتگو ہو جائے۔

راقم نے جب 'میثاق' کی اشاعت کو بند کر دینے کے ارادے کا اظہار کیا تو دفتر میں بہت سے خطوط موصول ہوئے جن میں شدید اضطراب اور بے چینی کا اظہار کیا گیا تھا اور نہایت پُر زور اپیل کی گئی تھی کہ اسے کسی نہ کسی طور سے جاری رکھا جائے۔ ایسے تمام حضرات سے راقم الحروف یہ توقع کرتے ہیں حق بجانب ہے کہ وہ عملی تعاون کے لئے آگے بڑھیں گے اور اس کی سب سے زیادہ آسان اور صحیح ترین صورت یہی ہے کہ 'میثاق' کے قدردان اس کے حلقۂ اشاعت کی توسیع کی کوشش کریں اور ایک بار انتہا... کے ساتھ نئے خریدار بنانے کی طرف متوجہ ہوں۔ کسی جریدے کے ساتھ تعاون کی اصل اور مستقل صورت یہی ہے۔ باقی تمام صورتیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگرچہ بحالات موجودہ 'میثاق' کو ہر صورت کے تعاون کی ضرورت ہے۔ مثلاً کچھ اصحاب خیر اپنے پاس سے زرِ تعاون ادا کر کے مختلف تعلیمی اداروں خصوصاً دینی مدارس اور لائبریریوں اور دارالمطالعوں کے نام پرچہ جاری کرا سکتے ہیں یا دفتر 'میثاق' میں ایک فنڈ کھولا جا سکتا ہے جس سے ان اصحاب کے نام پرچہ جاری کر دیا جایا کرے جو صاحبِ ذوق تو ہیں لیکن صاحبِ استطاعت نہیں ہیں۔ ایسے حضرات کی طرف سے دفتر کو مسلسل درخواستیں موصول ہوتی رہتی ہیں لیکن بحالات موجودہ ان کی خواہش پوری نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح کاروباری حضرات ایسے اشتہارات جن کی اشاعت میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو خود یا دوسروں سے حاصل کر کے بھیج سکتے ہیں۔ اسی غرض سے معاوضہ کی شرح بھی زیرِ نظر شمارے میں شائع کی جا رہی ہے۔

ایک 'زبردستی' کا تعاون اس صورت میں حاصل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے کہ 'میثاق' کی ضخامت میں کچھ کمی کر دی جائے لیکن اس کی قیمت علیٰ حالہٖ بحال رہے۔ چنانچہ آئندہ سے پرچہ ۴۸ صفحات پر مشتمل ہو گا لیکن اس کی فی پرچہ قیمت ایک روپیہ اور سالانہ زرِ مبادلہ دس روپے ہی رہے گا۔ (یہ پرچہ ۵۶ صفحات پر شائع ہو رہا ہے اس کی تلافی انشاءاللہ آئندہ شمارے میں کر دی جائے گی!)

گزشتہ شمارے میں یہ خوشخبری دے دی گئی تھی کہ 'تدبرِ قرآن' کی جلد دوم پریس میں ہے اب یہ مزید اطلاع حاضر ہے کہ نہ صرف طباعت مکمل ہو گئی ہے بلکہ ایک محدود تعداد میں جلد بندی کا مرحلہ بھی طے ہو گیا ہے۔ گویا کہ اب اس کے قدردان ہمیں اپنے آرڈر ارسال کر سکتے ہیں۔

تاہم اس معاملے میں بھی چند باتیں گوش گذار کرنی ہیں۔ اس جلد کی طباعت کا مرحلہ اتفاق سے

اس وقت آیا جبکہ ملکی حالات کی وجہ سے کاغذ انتہائی گراں تھا۔ میں اس کی طباعت کے مرحلے کو مؤخر بھی کر سکتا تھا لیکن مولانا امین احسن اصلاحی کی صحت مسلسل خراب چل رہی ہے اور انہیں اس جلد کا بے قراری کی حد تک انتظار تھا۔ چنانچہ میں نے پہلی جلد کے مقابلے میں ڈیڑھ گنا قیمت پر کاغذ خریدنا گوارا کر لیا۔ لیکن اس کی طباعت میں تاخیر گوارا نہ کی۔ نتیجتہً اس کی لاگت اور قیمت فروخت میں بہت کم فاصلہ باقی رہ گیا ہے۔ بنا بریں تمام احباب سے گذارش ہے کہ وہ جلد اوّل کی طرح اس میں کسی رعایت کا مطالبہ نہ کریں۔ اس جلد میں کمیشن صرف تاجران کتب ہی کو دیا جا سکے گا اور وہ بھی حسب سابق صرف بیس فیصد۔ افراد یا اداروں کو کوئی کمیشن نہیں دیا جائے گا۔

دوسرا اہم فیصلہ یہ کیا گیا ہے کہ وی پی پی طلب کرنے والے حضرات کو بھی پیشگی دس روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال کرنے ہوں گے۔ پچھلی جلد کے ساتھ کئی بار یہ حادثہ پیش آیا کہ وی پی طلب کر لی گئی اور پھر کسی وجہ سے وہ چھڑائی نہ جا سکی اور کچھ دن ادھر ادھر چکر کھا کر وی پی واپس آ گئی۔ لیکن اس آمد و رفت میں پیکٹ بوسیدہ ہو گیا اور جلد بھی خراب ہو گئی اور نقصان ادارے کو اٹھانا پڑا۔ اس نقصان کی تلافی اور اس صورت حال کو حتی الامکان ختم کرنے ہی کے خیال سے مذکورۃ الصدر فیصلہ کیا گیا ہے۔

"مبادی تدبر قرآن" کے بارے میں پہلے ہی یہ اطلاع دی جا چکی ہے کہ وہ چھپ کر تیار ہو چکی ہے۔ جو حضرات اسے بھی تدبر قرآن جلد دوم کے ساتھ ہی منگائیں گے انہیں محصول ڈاک کے معاملے میں یقیناً فائدہ پہنچے گا۔ یہ وضاحت تحصیل حاصل ہے کہ یہ کتاب تفسیر تدبر قرآن کے سلسلے کی ایک لازمی کڑی ہے چنانچہ اسی مناسبت سے اس کا نام بھی رکھا گیا ہے۔

ایک مزید دل خوش کن اطلاع یہ ہے کہ مولانا اصلاحی کی معرکۃ الآرا تصانیف "حقیقت شرک"، "حقیقت توحید"، "حقیقت تقویٰ" اور "حقیقت نماز" کو یکجا ایک جلد کی صورت میں "حقیقت دین" کے نام سے شائع کرنے کا فیصلہ ہوا ہے اور اس کی کتابت کا مرحلہ بھی طے ہو چکا ہے اور اب انشاء اللہ اس کی اشاعت میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ "دعوتِ دین" پہلے ہی طبع ہو چکی ہے۔ اگرچہ اس کا خیر مقدم ہماری توقع کے مطابق نہیں ہوا۔ یہاں ضمناً ان حضرات کی خدمت میں جو نہایت ذوق و شوق کے ساتھ مولانا کی تصانیف طلب فرمایا کرتے ہیں یہ عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ آپ حضرات یہ بھی تو سوچا کریں کہ صرف چند ایک نسخوں کے مطالبے پر تو کوئی کتاب شائع نہیں ہو سکتی۔ مولانا کی جو تصانیف شائع ہو رہی ہیں یا ہو چکی ہیں ان

کے نکاس کے سلسلے میں بھی کسی قدر ذمہ داری آپ حضرات پہ عاید ہوتی ہے جسے ادا کرنے کی فکر آپ کو کرنی چاہیئے۔

تفسیر کے قدر دانوں کی اطلاع کے لئے مزید عرض ہے کہ مولانا اصلاحی آج سے تین چار ماہ قبل سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر سے فارغ ہو چکے تھے۔ لیکن اس کے بعد سے ان کی صحت مسلسل خراب چل رہی ہے جس کے باعث آگے کام بالکل بند پڑا ہے۔ آپ سب حضرات سے درخواست ہے کہ مولانا کی بحالی صحت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ مولانا خود راقم الحروف سے متعدد بار یہ فرما چکے ہیں کہ "مجھے زندہ رہنے کی تو ہرگز کوئی خواہش باقی نہیں رہی۔ یہ ضرور خواہش ہے کہ جب تک جیوں کم از کم اتنی صحت ضرور برقرار رہے کہ کتاب اللہ کی خدمت کرتا رہوں!" اللہ تعالیٰ مولانا کو جلد از جلد صحت یاب فرمائے تاکہ وہ تفسیر کو مکمل کر سکیں وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے اپنے تو یہ فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ آئندہ 'میثاق' کا جزو اعظم تفسیر ہی پہ مشتمل ہو گا اور دوسرے تیسری جلد کی بھی کتابت کا مرحلہ شروع کر دیا گیا ہے السعی منّی والاتمام من اللہ، ——— اپنے حصے کا کام راقم کئے چلا جا رہا ہے۔ آپ حضرات اپنی ذمہ داریوں کی فکر کریں۔

لاہور میں حلقہ ہائے مطالعہ قرآن کا کام بحمد اللہ پابندی کے ساتھ جاری ہے۔ اس کی کسی قدر تفاصیل بھی آئندہ مضامین میں مل جائیں گی اور خصوصاً اس منتخب نصاب کی تفصیل کی پہلی قسط بھی مل جائے گی جس سے بالعموم ان حلقوں کا آغاز کیا جاتا ہے اور اسے انشاء اللہ وہ سب حضرات مفید پائیں گے جو اپنے اپنے مقامات پہ درس و مطالعہ قرآن کی کوئی صورت اختیار کئے ہوئے ہیں یا کرنے کے خواہش مند ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

اعتذار

ادارہ 'میثاق' معذرت خواہ ہے کہ اس بار تفسیر کے صفحات پہ نمبر غلط لگ گئے ہیں۔ تفسیر کو صفحہ ۱۷ سے شروع سمجھا جائے۔ (مینجر)

مطالعہ قرآن

مطالعۂ قرآن کا ایک منتخب نصاب

اسرار احمد

جیسا کہ قارئین 'میثاق' کو معلوم ہے۔ لاہور میں اس وقت راقم الحروف کے زیر اہتمام متعدد حلقہ ہائے مطالعہ قرآن قائم ہیں اور ان میں ایک اچھی بھلی تعداد میں شرکاء ذوق و شوق اور باقاعدگی و پابندی کے ساتھ شریک ہو رہے ہیں جن میں ایک خاصی قابل لحاظ تعداد اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کی بھی شامل ہے۔

اس سلسلے کی مرکزی نشست سمن آباد لاہور کی ایک مرکزی مسجد جامعہ خضریٰ میں اتوار کی صبح کو منعقد ہوتی ہے جس میں اب بفضلہ تعالیٰ دو صد سے زائد مرد اور بیس پچیس کے لگ بھگ خواتین شریک ہو رہی ہیں —— سمن آباد میں اس نشست کا آغاز اوائل ۱۹۶۸ء میں کیا گیا تھا۔ درمیان میں کچھ وقفے بھی اگرچہ آئے تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تین سال کی محنت کا ثمرہ ہے۔ اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہے اللہ ہی کے فضل سے۔ ورنہ حقیقت میں کیا ہم اور کیا ہماری صلاحیت اور محنت، البتہ ظاہری اعتبار سے اس میں کچھ دخل اس کو بھی ہے کہ راقم اسی مسجد میں جمعے کے اجتماعات میں بھی مسلسل تقریر کرتا رہا ہے اور یہ تقاریر بھی اکثر و بیشتر 'درس قرآن' ہی پر مشتمل ہوتی ہیں۔

اس کے علاوہ اسلام پورہ (کرشن نگر) میں بھی ایک حلقہ کافی عرصے سے قائم ہے اگرچہ اس میں بھی وقفے ہوتے رہے تاہم کچھ نہ کچھ کام اکثر ہوتا رہا اور آج کل یہاں بھی ایک ہفتہ وار نشست باقاعدگی سے جاری ہے۔ اس سال سفر حج سے واپسی کے بعد سے لاہور میں چند مزید مقامات پر حلقے قائم ہوئے۔ چنانچہ ایک ہفتہ وار اجتماع انجینئرنگ یونیورسٹی کے زبیر ہال میں ہوتا رہا۔ ایک ہفتہ وار نشست ایم اے او کالج میں منعقد ہوتی رہی اور پندرہ روزہ اجتماعات ڈھولنوال اور سانده خورد میں منعقد ہوتے رہے۔ حال ہی میں امتحانات کے قریب کے باعث انجینئرنگ یونیورسٹی کے حلقے کا کام بند ہو گیا ہے تو اس کی

جاۓ گڑھی شاہو میں ایک حلقہ کا آغاز کر دیا گیا ہے۔

یہ ساری تفصیل جو عرض کی گئی اصل میں اس حقیقت کے اظہار کے لئے بطور تمہید ہے کہ ان حلقوں کی کامیابی اگرچہ حقیقتاً تو سراسر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے۔ تاہم ظاہری اعتبار سے اس میں کچھ دخل اس بات کو بھی ہے کہ ہر حلقے کا آغاز مطالعہ قرآن کے ایک منتخب نصاب سے کیا جاتا رہا ہے جو اپنی جامعیت اور منطقی ترتیب و تدریج کی بنا پر سامعین کے لئے نہ صرف دلچسپ اور قابل فہم ہے بلکہ اس سے ایک صاحب ذوق انسان کا ایک ذہنی رابطہ قرآن حکیم سے قائم ہو جاتا ہے اور وہ قرآن مجید سے ایک طبعی مناسبت محسوس کرنے لگتا ہے ——— سمن آباد لاہور کے حلقے میں بھی شروع میں اسی منتخب نصاب کا درس دیا گیا اور اب اگرچہ وہاں قرآن مجید شروع سے سلسلہ وار زیر مطالعہ ہے (اور اب بفضلہٖ تعالیٰ سورۂ نساء قریب الاختتام ہے) تاہم اس دوران میں بھی ایک بار جب راقم کی علالت کے باعث وقفہ ہو گیا تھا تو دوبارہ آغاز پھر اسی منتخب نصاب سے کیا گیا تھا۔ اس کے بعد بھی ہر حلقے میں شروع میں یہی مقامات زیر درس رہے اور اب اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر راقم یہ محسوس کرتا ہے کہ اگر یہ نصاب اطلاع عام کے لئے شائع کر دیا جائے تو امید واثق ہے کہ دوسرے مقامات پر جو رفقاء قرآن حکیم کی کسی خدمت میں لگے ہوئے ہیں وہ اسے بہت مفید پائیں گے۔ اسی غرض سے ذیل میں اس نصاب کی تفصیل دی جا رہی ہے۔

یہ بات بھی عرض کر دینی مناسب ہے کہ یہ نصاب راقم کا طبعزاد نہیں ہے بلکہ اس کا اصل ڈھانچہ مولانا امین احسن اصلاحی کا تیار کردہ ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ۱۹۵۱-۵۲ء میں جب راقم الحروف اسلامی جمعیت طلبہ لاہور و پنجاب کا ناظم تھا اس نے جمعیت کے زیر اہتمام طلبہ کے لئے دو تربیتی کیمپ منعقد کئے تھے ایک دسمبر ۱۹۵۱ء میں کرسمس کی تعطیلات میں اور دوسرا ۱۹۵۲ء کی تعطیلات موسم گرما میں۔ ان تربیت گاہوں میں قرآن حکیم کا درس مولانا اصلاحی مدظلہ نے دیا تھا اور اس غرض سے انہوں نے ایک نصاب تجویز کیا تھا جو درج ذیل ہے :-

۱۔ انسان کی انفرادی زندگی کی رہنمائی کے لئے سورۂ لقمان کا دوسرا اور سورہ فرقان کا آخری رکوع۔

۲۔ عائلی زندگی سے متعلق ——— سورۂ تحریم مکمل۔

۳۔ قومی، ملی اور سیاسی زندگی کی رہنمائی کے ذیل میں سورۂ حجرات مکمل۔

۴۔ فریضۂ اقامت دین کے ذیل میں سورۂ صف مکمل۔

۵۔ اور تحریک اسلامی سے متعلق مختلف مسائل میں رہنمائی کے ذیل میں سورۂ عنکبوت مکمل۔

راقم کی خوش قسمتی تھی کہ اسے بطور ناظم ان دونوں تربیت گاہوں میں شرکت کا موقع ملا اور یہ مقامات اس نے دوبارہ مولانا اصلاحی صاحب سے براہِ راست پڑھے اور اس طرح ان مقامات کو راقم نے اس طرح اخذ کر لیا کہ "بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً"[1] کے مصداق انہیں آگے پڑھانے کے لئے بھی کسی قدر اعتماد پیدا ہو گیا۔ چنانچہ زمانہ طالب علمی میں جمعیت کے اجتماعات میں بھی راقم مطالعہ قرآن کی ذمہ داریاں نبھاتا رہا۔ تعطیلات کے زمانے میں منٹگمری (حال ساہیوال) میں جماعت اسلامی کے اجتماعات میں بھی ان مقامات کا درس دیتا رہا اور رمضان مبارک کے ایک تربیتی پروگرام میں پورا نصاب بھی پڑھایا۔ ۱۹۵۷ء میں ملتان میں منعقدہ جمعیت کی ایک تربیت گاہ میں راقم نے پھر یہ پورا نصاب اسی تدریج کے ساتھ پڑھایا۔ بعد میں جب ساہیوال میں راقم نے ایک "اسلامی ہاسٹل" قائم کیا تو اس میں مقیم طلبہ کو بھی راقم نے اس پورے نصاب کا درس دیا۔ اس کے بعد جب راقم کراچی میں تھا تو وہاں بھی مقبول عام ہاؤسنگ سوسائٹی میں ایک حلقہ قائم کر کے اسی منتخب نصاب کا درس دیا گیا۔ لہٰذا لاہور میں "حلقہ ہائے مطالعہ قرآن" کے موجودہ سلسلے کی اساس بھی راقم نے اسی کو بنایا جس کی تفصیل اوپر درج کی جا چکی ہے۔

البتہ اس عرصے کے دوران میں وقتاً فوقتاً راقم اس بنیادی نصاب میں اضافے کرتا رہا۔ جن سے اس نصاب کی ایک واضح بنیاد بھی قائم ہو گئی اور مختلف مقامات کے مضامین میں جو فاصلے تھے وہ بھی بہت حد تک پاٹ دیئے گئے۔ ہو سکتا ہے کہ آئندہ بھی خود راقم یا کوئی اور شخص اس میں مزید مفید اضافے کر سکے۔ تاہم اس وقت راقم کا گمان ہے کہ ایک خاص نقطہ نظر سے قرآن حکیم کا جو انتخاب اس نصاب میں کیا گیا ہے وہ بہت حد تک مکمل بھی ہے اور نہایت مفید بھی۔

آگے چلنے سے پہلے اس "خاص نقطہ نظر" کی وضاحت بھی ہو جائے تو اچھا ہے۔ وہ نقطہ نظر یہ ہے کہ ایک مسلمان کے سامنے یہ بات بالکل واضح ہو جائے کہ اس کے دین کے تقاضے اس سے کیا ہیں اور اس کا رب اس سے چاہتا کیا ہے؟ گویا دین کے تقاضوں اور مطالبوں کا ایک اجمالی لیکن جامع تصور پیش کرنا اس انتخاب کا اصل مقصود ہے، ویسے ضمناً اس سے خود دین کا ایک جامع تصور بھی آپ سے آپ واضح ہو جاتا ہے اور محدود مذہبی تصورات کی جڑیں خود بخود کٹتی چلی جاتی ہیں۔

متذکرہ بالا "مقصد" کے تحت اس نصاب کا نہایت موزوں آغاز سورۂ عصر سے ہوتا ہے جو خسرانِ ابدی سے انسان کے بچاؤ کی چار بنیادی شرائط یا بالفاظ دیگر کامیابی اور فوز و فلاح کے چار

[1] حدیث نبویؐ: "پہنچاؤ میری جانب سے چاہے ایک ہی آیت!"

ناگزیر لوازم یا نجات کی راہ کے چار سنگ ہائے میل کا تعین کر دیتی ہے ـــــ یعنی ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔ راقم کے نزدیک یہ سورت صرف اس نصاب ہی کے لئے نہیں، پورے قرآن حکیم کے لئے بمنزلہ اساس ہے اور اس کی حیثیت اس بیج کی سی ہے جس سے قرآن مجید کی تمام تعلیمات کے برگ و بار پھوٹے ہیں۔ واللہ اعلم ـــــ بہرحال اس نصاب کی جڑ سورۃ والعصر ہے اور بقیہ پورا نصاب گویا اسی کی تفسیر کی حیثیت رکھتا ہے (سورہ والعصر پر راقم نے ایک مضمون بھی "نجات کی راہ: سورہ والعصر کی روشنی میں" کے عنوان سے لکھا تھا جو میثاق بابت نومبر ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا تھا)

اس نصاب کا دوسرا درس "آیہ بر" ہے یعنی سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۷، جس سے نہ صرف یہ کہ نیکی کے ایک محدود مذہبی تصور کی جڑ کٹ جاتی ہے اور نیکی کا ایک جامع اور مکمل تصور "اَصْلُهَا ثَابِتٌ" سے لے کر "فَرْعُهَا فِی السَّمَاءِ" تک واضح ہو جاتا ہے بلکہ اس آیت کی نسبت سورہ والعصر سے کچھ ایسی ہے جیسے ایک بند کلی تھی جو ذرا کھل گئی ہے یعنی ایمان نے بنیادی ایمانیات کی تفصیل کی صورت اختیار کر لی، عمل صالح کی تین محکم بنیادیں متعین ہو گئیں اور صبر کے مواقع کی بھی قدرے تفصیل آ گئی۔ صرف تواصی بالحق کا ذکر یہاں نہیں ہے اگرچہ تبعاً وہ بھی صبر کے ذیل میں موجود ہے الغرض یہ آیت ہر اعتبار سے اس نصاب کا موزوں ترین درس ۲ ہے۔

اس نصاب کا تیسرا درس سورہ لقمان کا رکوع ۲ ہے جو پھر ایک دوسرے زاویے سے سورۃ والعصر ہی کی تفصیل ہے۔ یہاں ایمان کے ذیل میں خدا کے شکر کے التزام اور اس کے ساتھ شرک سے اجتناب کا ذکر ہے۔ اعمال صالح میں بر والدین اور نماز کی تاکید کے علاوہ کبر و غرور سے روکا گیا ہے اور میانہ روی کی تعلیم دی گئی ہے۔ التواصی بالحق کی ایک فرع "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" پر زور ہے اور صبر کی تاکید ہے۔ گویا سورہ والعصر کے چاروں اجزا یہاں بھی موجود ہیں۔

ان کے علاوہ یہ رکوع حکمت قرآنی کے نہایت اہم اور بنیادی اور اساسی نکات کا حامل ہے یعنی
۱۔ یہ کہ فطرت کی صحت اور سلامتی کا لازمی نتیجہ "شکر" ہے ۲۔ حکمت کا لازمی تقاضا ہے کہ یہ جذبۂ شکر خدا کی ذات پر مرتکز ہو جائے۔ ۳۔ خدا کا شکر مستلزم ہے اجتناب شرک اور التزام توحید کو۔ ۴۔ انسان پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں وہ سب سے پہلے خالق کے ہیں اور اس کے بعد سب سے مقدم والدین کے۔ ۵۔ اگر ان دونوں میں ٹکراؤ ہو تو الاقدم فالاقدم کے مصداق خدا کا حق فائق رہے گا۔

۶۔ برّ والدین میں ان کا اتباع لازماً شامل نہیں۔ اتباع صرف اس کا کیا جانا چاہیئے جس نے اپنا رخ خدا کی طرف کر لیا ہو وغیرہ وغیرہ۔

چوتھا درس سورۂ حٰمٓ السجدہ کی آیات ۳۰ تا ۳۶ پر مشتمل ہے اور یہ بھی سورۂ والعصر کے چاروں اجزاء پر جامعیت کے ساتھ محیط ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ سورۂ والعصر میں ان چاروں اجزاء کی ابتدائی اور کم از کم یا ناگزیر اساسات کا ذکر ہے اور یہاں ان ہی کے بلند ترین مقامات کا تذکرہ ہے چنانچہ ایمان کا لب لباب یہ ہے کہ انسان اللہ کی ربوبیت پر مطمئن ہو جائے۔ تو اصی بالحق کی بلند ترین منزل دعوت الی اللہ ہے اور صبر کا بلند ترین مقام یہ ہے کہ انسان بدی کو جھیلے ہی نہیں بلکہ اس کا جواب نیکی سے دے۔ رہا عمل صالح تو یہ بجائے خود ایک ایسی جامع اصطلاح ہے جو بیک وقت اصول و فروع اور جڑ اور چوٹی سب پر حاوی ہے ———— گویا کہ یہ مقام ع "کہ عنقا را بلنداست آشیانہ" کی تفسیر اور انسانیت کے بلند ترین مراتب یا "حظّ عظیم" کی تفصیل ہے یا بالفاظ دیگر یوں کہہ لیا جائے کہ سورہ والعصر نے جس راہ کے ابتدائی مراحل کا ذکر کیا ہے اس مقام پر اس کی انتہائی منزلیں واضح کر دی گئیں۔

مندرجہ بالا چاروں درس جامع تھے۔ یعنی ان سب میں نجات کے چاروں لوازم کا ذکر موجود ہے۔ آگے کے اسباق میں ان میں سے ایک ایک جزو کو لے کر ان کی تشریح و تفصیل کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ پانچ مقامات ایمان کے ذیل میں ہیں۔ چھ مقامات عمل صالح کی تفاصیل پر مشتمل ہیں تین مقامات تواصی بالحق کے ذیل میں ہیں اور چھ مقامات تواصی بالصبر کے سلسلے میں ہیں اور آخر میں ایک جامع سورت کے درس پر اس نصاب کا اختتام ہوتا ہے جس سے گویا ایک بار پھر پورے سبق کی دوہرائی ہو جاتی ہے۔ ان مقامات میں سے کچھ مختصر ہیں جنہیں ایک نشست میں بیان کیا جاسکتا ہے اور کچھ طویل ہیں جن کے لئے ایک سے زائد درس درکار ہوں گے۔ لہذا آئندہ درسوں کا نمبر متعین نہیں رہے گا یہ تعداد مختلف احوال و مقامات کی مناسبت سے تبدیل ہوتی رہے گی۔

ایمان کے ذیل میں پہلا درس سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کی آیات ۱۹۰ تا ۱۹۵ پر مشتمل ہے۔

یہ آیاتِ مبارکہ ایمان کے سلسلے میں قرآن حکیم کے سادہ اور فطری استدلال کو انتہائی اختصار اور جامعیت کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔ گویا ان سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ ایک صحیح العقل اور سلیم الفطرت انسان کس طرح اوّلاً آفاق و انفس میں غور و فکر کے نتیجے میں خدا کے وجود، اس کی توحید اور اس کی صفاتِ کمال کا علم حاصل کرتا ہے یا بالفاظ دیگر ایمان باللہ تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ پھر کس طرح وہ خدا کی یاد کے التزام[1] کے ساتھ مزید غور و فکر سے ایمان باللہ کی ایک فرع ہی کی حیثیت سے معاد و آخرت پر ایمان لاتا ہے ——— اور پھر جب انہی دو اساسی امور پر مشتمل کسی نبی کی دعوت اس کے کانوں میں پڑتی ہے تو کس طرح والہانہ اس پر لبیک کہتا ہے۔ اس طرح ان آیات سے گویا "ایمان عقلی" اور "ایمان سمعی" کا باہمی ربط بھی واضح ہو جاتا ہے۔ اور فی الجملہ ایمان کی عقلی و منطقی ترکیب (SYNTHESIS) پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے۔

آخر میں اس ایمان سے اس صحیح الفطرت انسان کی زندگی میں جو انقلاب آتا ہے اور حق کے لئے وہ جس ایثار و قربانی، صبر وضبط اور ثبات و استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے اس کا ذکر ہے اور اس کی ان جانبازیوں اور سرفروشیوں پر اللہ کی جانب سے انتہائی تاکیدی انداز میں اجر و ثواب کا وعدہ اور پختہ یقین دہانی ہے۔

ایمان کی مذکرہ بالا تین کڑیوں میں سے پہلی یعنی ؎

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

کے مصداق کائنات میں ہر چہار طرف پھیلی ہوئی آیات الٰہی پر غور و فکر سے اصحاب عقل و دانش کے خدا کو پہچاننے اور اس کی توحید اور صفاتِ کمال کا علم حاصل کرنے یا بالفاظ دیگر اس پر ایمان لانے کی مزید وضاحت کے ضمن میں سورۃ بقرہ کی آیات ۱۶۴ اور ۱۶۵ سے مدد لی جاتی ہے جن سے

---

[1] بقول علامہ اقبال مرحوم

جز بہ قرآں ضیغمی روباہی است | فقرِ قرآں اصل شاہنشاہی است
فقرِ قرآں ؟ اختلاط ذکر و فکر | فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر

اور بقول رومی ؒ :-

ایں قدر گفتیم باقی فکر کن | فکر اگر جامد بود، رَو ذکر کن
ذکر آرد فکر را در اہتزاز | ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز

مزید ایک اور حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے یعنی یہ کہ معرفت خداوندی کا اصل ثمرہ یہ ہے کہ انسان خدا کی محبت سے اس درجہ سرشار ہو جائے کہ بقیہ تمام محبتیں اُس کی محبت کے تابع ہو جائیں۔

اسی طرح ایمان کے سلسلۃ الذہب کی دوسری کڑی یعنی تخلیق کائنات میں حکمت خداوندی کی کار فرمائی اور ہر چیز کی بامقصدیت (PURPOSEFULNESS) کے مشاہدے سے جزا و سزا پر استدلال اور ایمان بالآخرت تک رسائی کی مزید وضاحت کے لئے سورۂ مومنون کی آیات ۱۱۵ و ۱۱۶ سے استشہاد کیا جاتا ہے اور اس طرح 'ایمان عقلی' کے دونوں اجزا کی مزید وضاحت بھی ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی "القرآن یفسّر بعضہٗ بعضاً" کی حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے۔

ایمان کے ذیل میں دوسرا درس سورۂ نور کے رکوع ۵ پر مشتمل ہے جس کی آیت ۳۵ میں ایک حد درجہ بلیغ تمثیل کے پیرائے میں 'نور ایمان' کی حقیقت سمجھائی گئی ہے اور اس کے اجزائے ترکیبی کو واضح کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ یہ دو اجزاء سے مرکب ہے: ایک نور فطرت جس کی مثال اس صاف و شفاف تیل کی سی ہے جو گویا کہ منتظر ہوتا ہے کہ جونہی آگ اس کے قریب آئے وہ فوراً بھڑک اٹھے اور دوسرے نور وحی جس کی مثال اس آگ کی سی ہے جو فطرت کے صاف روغن کو فوراً مشتعل کر دیتی ہے ———— یہ تمثیل اگرچہ کاملۃً تو صرف صدیقین کے ایمان ہی پر چسپاں ہوتی ہے چونکہ ان ہی کی فطرت کا روغن اتنا شفاف ہوتا ہے کہ وہ نبی کی دعوت پر بغیر کوئی دلیل طلب کئے فوراً ایمان لے آتے ہیں تاہم اس سے اس بنیادی حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ جس طرح بصارتِ ظاہری کے لئے بھی خارج میں روشنی اور آنکھوں میں بینائی دونوں کا ہونا لازم ہے۔ اسی طرح اس بصیرت باطنی کے لئے بھی کہ جس کا نام ایمان ہے۔ یہ دونوں چیزیں لازم ہیں کہ خارج میں نور وحی و رسالت بھی موجود ہو اور انسان کے باطن میں اس کی فطرت کا نور بھی بالکل بجھ نہ چکا ہو———— اس طرح یہ تمثیل سلسلہ ایمان کی تیسری کڑی یعنی 'ایمان بالرسالت' کی حقیقت کو مزید واضح کر دیتی ہے۔

آیات ۳۶ تا ۳۸ میں ان سلیم الفطرت انسانوں کی زندگیوں کی ایک دوسری جھلک دکھائی گئی ہے جو نورِ ایمان سے کماحقہٗ بہرہ ور ہوتے ہیں یعنی مساجد کے ساتھ ان کی محبت، ذکر الٰہی کے ساتھ ان کا انس اور اس کے لئے ان کا ذوق و شوق اور اس پر ان کا دوام، صلوٰۃ و زکوٰۃ کا التزام اور ان سب کے بعد بھی خشیت الٰہی کا غلبہ اور حساب کتاب اور جزا و سزا کے خیال سے لرزہ بر اندام رہنا۔

اس مقام پر اس حقیقت کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی جاتی ہے کہ ' مردِ مومن ' کی زندگی کی تصویر کا ایک رُخ تو وہ ہے جو سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۹۵ میں بیان ہوا ہے اور دوسرا رخ یہ ہے جو یہاں سورہ نور کی آیات ۳۶ تا ۳۸ میں دکھایا گیا ہے اور مکمل تصویر ان دونوں کے امتزاج ہی سے بنتی ہے۔ ایک نقشہ عشق و محبت ، ذوق و شوق اور عبادت و ریاضت کا ہے اور دوسرا نقشہ سعی و جہد ، مصابرت و مقاومت اور جہاد و قتال کا۔ اور بات تبھی بنتی ہے جب یہ دونوں پہلو موجود ہوں۔ یعنی وہی بات جو دشمنوں نے ان الفاظ میں بیان کی تھی کہ " هُمْ رُهبانٌ بالليل و فُرسانٌ بالنهار " (یہ لوگ راتوں کے راہب ہیں اور دن کے شہسوار !!)

اس رکوع کی بقیہ آیات میں دو تمثیلوں کے پیرائے میں ایک تو " نورٌ علیٰ نور " کے بالکل برعکس ، ظلماتٌ بعضها فوق بعض " کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو ایک طرف تو نور وحی و نبوّت سے بالکل محروم رہے اور دوسری طرف ان کا نور فطرت بھی بالکل بجھ چکا ، چنانچہ اب ان کے پاس نہ تو نور ایمان کی کوئی جھلک ہے نہ کسی نیکی یا بھلائی کی کوئی روشنی ، حتیٰ کہ ان کی زندگی ریاکارانہ نیکی کی ملمع سازی والی جھوٹی چمک سے بھی بالکل خالی نظر آتی ہے ـــــ اور دوسرے ایک درمیانی کردار کی نقشہ کشی کی گئی ہے جن کے پاس ایمان ہے تو صرف زبانی اقرار اور دعویٰ کی حد تک ، قلب کی تصدیق سے بالکل تہی دست ، اور اگر کوئی نیکی یا صدقہ و خیرات ہے تو محض ریا و سمعہ کی خاطر ، خلوص اور اخلاص سے بالکل خالی ، ان کی مثال اس پیاسے کی سی ہے جو سراب کو پانی سمجھ کر اس کے پیچھے دوڑتا رہے اور آخر کار تباہی و ہلاکت سے دوچار ہو کر رہے۔

ایمان کی بحث کے ذیل میں تیسرے نمبر پر سورۂ تغابن پڑھائی جاتی ہے جو عموماً دو نشستوں ہی میں پڑھی جا سکتی ہے۔ ایک میں اس کا رکوع اوّل اور دوسری میں رکوع ثانی۔

اس سورت کے مضامین کی ترتیب اس اعتبار سے بڑی عجیب ہے کہ اس کے رکوع اوّل میں ایمان کے تینوں اجزا کو صرف بیان (NARRATE) کر دیا گیا ہے۔ استدلال کا پہلو یہاں بھی اگرچہ موجود ہے تاہم بہت خفی اور دوسرے رکوع میں ایمان کے بعض مضمرات اور مقدرات کو بھی کھول دیا گیا ہے اور اس کے اہم ثمرات کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔

چنانچہ رکوع اوّل میں سب سے پہلے خدا کی ہستی ، اس کی توحید اور اس کی صفاتِ کمال پر آیات آفاقی کی شہادت کو اس پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے ، اللہ کی

تسبیح کر رہا ہے اور پھر اس کے مرتبہ و مقام اور اس کی بعض صفاتِ کمال خصوصاً قدرت اور علم کا بیان ہے ـــــ پھر رسالت کے ذیل میں رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں کے عذاب الٰہی سے ہلاک ہونے کا بیان بھی ہے اور رسالت کے باب میں ان کی اس اصل گمراہی کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے کہ انہوں نے بشریت اور نبوّت و رسالت کو ایک دوسرے کی ضد خیال کیا[1] ـــــ اس کے بعد منکرین بعث بعد الموت کی شدت کے ساتھ تردید اور قیام قیامت اور حشر و نشر اور جزا و سزا کا بیان اور اس حقیقت کا اظہار ہے کہ اصل ہار جیت اور کامیابی و ناکامی کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا ـــــ اور آخر میں اللہ، رسولؐ، کتاب اور آخرت پر ایمان کی پر زور دعوت ہے۔

دوسرے رکوع میں، جیساکہ اوپر عرض کیا گیا ایمان کے مضمرات اور ثمرات کا بیان ہے یعنی: ۱۔ تسلیم و رضا۔ ۲۔ اطاعت و انقیاد، ۳۔ توکل و اعتماد، ۴۔ علائق دنیوی کی فطری محبت کے پردے میں انسان کے دین و ایمان اور آخرت و عاقبت کے لئے جو بالقوۃ (POTENTIAL) خطرہ مضمر ہے اس سے متنبہ اور چوکس دچوکنا رہنا۔ البتہ یہ بھی نہ ہو کہ انسان گھر کو میدان جنگ ہی بنا ڈالے۔ اس کے برعکس بہتر ہے کہ عفو و درگزر کی روش اختیار کی جائے، ۵۔ تقویٰ، ۶۔ سمع و طاعت اور ۷۔ انفاق فی سبیل اللہ جس کی اہمیت پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔

اس طرح یہ سورت ایمان کے بیان میں نہایت جامع ہے کہ اس کے اجزاء ثلاثہ کی تفصیل بھی اس میں آ گئی اور اس سے انسان کے نقطۂ نظر، طرز فکر اور ذہنی روش میں جو تبدیلیاں آنی چاہیئں اور اس کے طرز عمل اور معاملات دنیوی میں اس کے عملی روّیے میں جو انقلاب برپا ہو جانا چاہیئے۔ اس کا بیان بھی ہو گیا۔ تو اس سورت کا دوسرا رکوع ایک کسوٹی ہے جس پر ہر انسان اپنے ایمان کو پرکھ کر دیکھ سکتا ہے کہ واقعتہً ایمان موجود ہے یا نہیں اور ہے تو کتنا اور کیسا؟

---

[1] اس مقام پر راقم اس حقیقت کو وضاحت سے بیان کیا کرتا ہے کہ اصل مرض ایک ہی ہے یعنی بشریت اور نبوّت و رسالت کا ایک دوسرے سے استبعاد جس کا ظہور ایک شکل میں اس طرح ہوتا ہے کہ لوگ اس بنا پر رسول کی رسالت کا انکار کر دیتے ہیں کہ یہ تو بشر ہیں نبی یا رسول کیسے ہو سکتے ہیں۔ اور دوسری طرف اسی مرض کا ظہور اس شکل میں ہوتا ہے کہ نبوّت اور رسالت کا اقرار کر لینے والے نبی یا رسول کی بشریت کا انکار کر بیٹھتے ہیں اور خود ان کو ماوراء البشر قرار دے کر الوہیت کے مقام پر لا بٹھاتے ہیں۔

مذکورہ بالا تین مقامات کے درس سے ایمان کی بحث اگرچہ مکمل ہو جاتی ہے لیکن ایمانیات کے ذیل میں قرآن حکیم میں خاص طور پر جس قدر زور ایمان بالآخرت پر دیا گیا ہے اور خصوصاً انسان کے عمل پر جتنا اثر قیام قیامت، حشر نشر، حساب کتاب اور جزا و سزا کے یقین سے پڑتا ہے اس کے پیش نظر ایک مزید درس خاص اسی موضوع پر شامل نصاب کیا گیا ہے —— یعنی سورۃ قیامہ مکمل جس میں قیام قیامت اور جزا و سزا کے لئے مثبت استدلال کو تو دو قسموں کی صورت میں بیان کر دیا گیا ہے اور منفی طور پر منکرین قیامت کے موقف کا کامل ابطال کر دیا گیا ہے اور ان کے اعتراضات اور دلائل کی قلعی کھول دی گئی ہے —— چنانچہ ایک طرف تو قیامت کے بارے میں ان کے استعجاب اور استبعاد کو دور کرنے کے لئے خدا کی اس قدرت کاملہ کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی جس کا سب سے بڑا مظہر خود انسان کی اپنی پیدائش ہے اور دوسری طرف منکرین قیامت کی گمراہی کا اصل سبب بھی بیان کر دیا۔ اور ان کے مرض کی اصل تشخیص بھی کر دی گئی یعنی حب عاجلہ میں گرفتار اور فسق و فجور کا عادی اور ظلم و تعدّی کا خوگر ہو جانا جس کی بنا پر انسان حساب کتاب اور جزا و سزا کے تصور تک سے بھاگتا ہے اور اس کبوتر کے مانند جو بلّی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ نہیں چاہتا کہ خواہ مخواہ قیامت، حشر نشر، حساب کتاب اور جزا و سزا کے تصور سے اپنے موجودہ عیش کو مکدّر اور منغّص کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ زبان سے انسان چاہے جو کچھ کہے، اس کے انکارِ قیامت کا اصل سبب وہی ہے جو سورۂ قیامہ میں " بَلْ يُرِيدُ الْإِنسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ " اور " كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ " کے الفاظ مبارکہ میں بیان ہوا۔

ضمنی طور پر ایک نہایت لطیف پیرائے میں یہ حقیقت بھی کھول دی گئی کہ خود دعوتِ دین اور ابلاغ و تبلیغ حتیٰ کہ تحصیل علم کے معاملے میں بھی "عجلت پسندی" سے اجتناب کیا جانا چاہیئے (باقی آئندہ)

سلسلہ اشاعت قرآن اکیڈمی

۱۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام۔ تالیف اسرار احمدؒ ۱/-

۲۔ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق " " " ۱/-

۳۔ اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار " ڈاکٹر رفیع الدین ۱/-

۴۔ قرآن اور پردہ " مولانا امین احسن اصلاحی ۶۰/-

۵۔ قرآن اور امن عالم " اسرار احمدؒ ۵۰/-

دار الاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ، لاہور

تدبر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ انفال (۱)

سورۂ انفال پر اجمالی نظر

سورۂ کا عمود

سورہ انفال دوسرے گروپ کی تیسری سورہ ہے۔ یہ مدنی ہے۔ اس میں مسلمانوں کو تقویٰ، باہمی اخوت و ہمدردی اور اللہ و رسول کی اطاعت کی اساس پر منظم اور جہاد کے لئے تیار ہونے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ وہ اس ملت ابراہیمی اور مرکز ملت ابراہیمی، بیت اللہ کی امانت و تولیت کے اہل ہو سکیں جو اب قریش کی جگہ ان کی تحویل میں دی جانے والی ہے۔

پچھلی دونوں سورتوں ——— انعام اور اعراف ——— میں آپ نے دیکھا کہ قریش کو عقائد، اعمال اور اخلاق، ہر پہلو سے، اس امانت کے لئے نااہل ثابت کر دیا گیا ہے اب اس سورہ میں مسلمانوں کی تطہیر و تنظیم، ان کی اصلاح اور تزکیہ کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا ہے کہ غزوۂ بدر کے دوران میں بعض کمزور مسلمانوں کی طرف سے جو کمزوریاں، اللہ و رسول کی اطاعت اور ایمان و توکل کے منافی صادر ہوئی تھیں، ان پر پہلے گرفت فرمائی ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو ان کمزوریوں سے پاک کریں۔ پھر ان غیبی تائیدات کی طرف اشارہ فرمایا جو غزوۂ بدر کے دوران میں ظاہر ہوئیں تاکہ مسلمانوں کا اعتماد اللہ پر مضبوط ہو اور جو لوگ ابھی پوری طرح یکسو نہیں ہوئے ہیں وہ یکسو ہو کر آگے کے مراحل کے تقاضے پورے کرنے کے اہل ہو سکیں۔ پھر مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں جہاد پر ابھارا ہے اور یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اگر انہوں نے کمزوری نہ دکھائی تو جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ حریف کی سازشوں کے سارے تار پود بکھر جائیں گے۔ بیچ بیچ میں قریش کو بھی تنبیہ فرمائی ہے کہ بدر کے واقعہ میں تمہارے لیے بہت بڑا سبق ہے، تمہارے لئے اب بہتر یہی ہے کہ اس سے فائدہ اٹھاؤ ورنہ یاد رکھو کہ اگر تم نے مزید کوئی شرارت کی تو پھر منہ کی کھاؤ گے۔ اب تک تمہارے ساتھ جو رعایت ہوئی ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول تمہارے اندر موجود تھا۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ جب تک رسول قوم کے اندر موجود رہتا ہے اس وقت تک قوم پر عذاب نہیں آتا لیکن اب جب کہ رسول تمہارے

اندر سے ہجرت کر چکا ہے، تمہاری امان اٹھ چکی ہے اور تم ہر وقت عذاب الٰہی کی زد میں ہو۔ تمہارا یہ غرہ بالکل بے جا ہے کہ تم بیت اللہ کے متولی اور مجاور ہو، بیت اللہ کے متولی ہونے کے اہل تم نہیں ہو۔ تم نے ابراہیمؑ کے بنائے ہوئے اس گھر کا مقصد بالکل برباد کر کے رکھ دیا اور اس کی حرمت کو بٹہ لگایا۔ تم جس نماز اور عبادت کے مدعی ہو، یہ نماز و عبادت نہیں بلکہ محض مذاق ہے۔ تمہارے لئے سلامتی کی راہ یہ ہے کہ تم توبہ اور اصلاح کی روش اختیار کرو۔ ورنہ یاد رکھو کہ اب اس حرم کی سرزمین پر نہ اہل ایمان پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کا کوئی موقع باقی چھوڑا جائے گا اور نہ اللہ کے دین کے سوا یہاں کوئی اور دین باقی رہنے دیا جائے گا۔

آگے بدر کے واقعات ہی کی روشنی میں مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور کفار کو تنبیہ کرتے ہوئے بات ان اعتراضات کے جواب تک پہنچ گئی ہے جو قریش نے بدر میں شکست کھانے کے بعد لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمان کرنے کے لئے اٹھائے۔ بدر سے پہلے تک تو وہ مسلمانوں کی کمزوری و مجبوری کو اسلام کے خلاف دلیل کے طور پر پیش کرتے تھے۔ لیکن بدر میں اپنی کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں جب پٹ گئے، تو یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر کس طرح ہو سکتے ہیں، بھلا پیغمبر کا کہیں یہ کام ہوتا ہے کہ اپنی ہی قوم کو باہم لڑا دے، اپنے ہی بھائیوں کو قتل کرائے، پھر ان کو قید کرے، ان سے فدیہ وصول کرے اور ان کا مال و اسباب غنیمت بنا کر کھائے اور کھلائے؟ اس اعتراض سے بھی کمزور قسم کے لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہو سکتے تھے۔ اس وجہ سے قرآن نے ان کو بھی صاف کیا اور آخر میں انصار اور مہاجرین کو باہمی اخوت کی تعلیم و تلقین فرمائی کہ دونوں مل کر کفر کے مقابلہ میں بنیان مرصوص بن کر کھڑے ہوں۔

اگرچہ سورہ کا نظام سمجھنے کے لئے یہ اجمالی نظر بھی کافی ہے لیکن ہم مزید وضاحت کے لئے سورہ کے مطالب کا تجزیہ بھی کئے دیتے ہیں۔

سورہ کے مضامین کا تجزیہ

سورہ کے مضامین کا تجزیہ

[۱-۴] مال غنیمت کی تقسیم سے متعلق بعض کمزور قسم کے مسلمانوں کی طرف سے معترضانہ نوعیت کے سوال کا حوالہ اور اس کا اجمالی جواب۔ اس اعتراض کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کو اس امر کی ہدایت کہ اگر تم سچے مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو، اپنے آپس کے تعلقات رشک و رقابت سے پاک رکھو۔ اللہ و رسول کی ہر مرحلے میں اطاعت کرو۔ سچے اور پکے اہل ایمان کی خصوصیات کا بالاجمال حوالہ اور ان کے لئے اللہ کے ہاں اجر عظیم کا وعدہ۔

[۵ - ۸] کمزور قسم کے مسلمانوں کی ایک اور کمزوری کی طرف اشارہ جو جنگ بدر کے لئے نکلتے ہوئے ان سے صادر ہوئی کہ باوجودیکہ اُن پر یہ بات واضح تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نکلنا قریش کی اس فوج سے مقابلہ کے لئے ہے جو تجارتی قافلہ کی حفاظت کا بہانہ بنا کر مدینہ پر حملہ کرنا چاہتی ہے، لیکن وہ فوج کے مقابلہ سے ڈرتے رہے اور انہوں نے پورا زور اس بات پر لگایا کہ آنحضرتؐ تجارتی قافلہ کا رخ کریں تاکہ بغیر کسی خطرے کے لقمہ تر ہاتھ آئے۔ حالانکہ اللہ و رسول کا منشا یہ تھا کہ حق کا بول بالا ہو اور باطل کا زور ٹوٹے جو اسی صورت میں متصور تھا جب قریش کی عسکری قوت مجروح ہو نہ کہ ایک غیر مسلح تجارتی قافلہ۔

[۹ - ۱۴] مسلمانوں کی تقویت اور حوصلہ افزائی کے لئے ان غیبی تائیدات کا حوالہ جو بدر کے موقع پر ظاہر ہوئیں۔ مسلمانوں کی دعا کے جواب میں یہ وقت ہزار فرشتوں کی مدد کا وعدہ۔ برسر موقع میدان جنگ میں اطمینان کی نیند اور بارش کے نزول سے مساعد حالات کا ظہور۔ امدادی فرشتوں کو یہ ہدایت خداوندی کہ مسلمانوں کا حوصلہ بحال رکھو، کفار کو مرعوب کردو اور ان کے پرخچے اڑا دو۔

[۱۵ - ۱۸] مذکورہ تائیدات غیبی کی روشنی میں مسلمانوں کو یہ ہدایت کہ کفار سے جب مقابلہ ہو تو کبھی پیٹھ نہ دکھاؤ۔ منظم فوج کشی کی صورت میں پیٹھ دکھانے والے خدا کے غضب اور جہنم کے عذاب کے سزاوار ٹھہریں گے۔ مسلمان جب خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تو صرف وہی نہیں لڑتے بلکہ ان کی طرف سے خدا بھی لڑتا ہے اور اہل ایمان کے لئے جوہر دکھانے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ بدر میں اس حقیقت کا مشاہدہ تم کر چکے ہو اور یہ جو کچھ ہوا ہے اسی پر بس نہ سمجھو، آئندہ اللہ ان کفار کی ساری چالیں بے کار کر دے گا۔

[۱۹] قریش کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے برسر موقع تنبیہ کہ تم کہتے تھے کہ اس جنگ میں جس کو فتح حاصل ہوگی وہ برسر حق سمجھا جائے گا تو دیکھ لو فتح ظاہر ہوگئی۔ اب بہتر ہے کہ کسی مزید شرارت کی جرأت نہ کرو۔ اگر تم باز نہ آئے، پھر شرارت کی تو یاد رکھو ہم کہیں چلے نہیں گئے ہیں۔ ہم بھی اپنی نشان پھر دکھائیں گے اور یہ اچھی طرح یاد رکھو کہ تمہارے لاؤ لشکر کی کثرت کچھ کام نہ آئے گی، مسلمانوں کے پہلو پر ہم ہیں۔

[۲۰ - ۲۳] مسلمانوں کو یہ ہدایت کہ پوری وفاداری کے ساتھ اللہ و رسول کی اطاعت کرو۔ رسول کی عین موجودگی میں اس سے انحراف نہ اختیار کرو۔ یہ روش ان یہود کی ہے جو کہتے تھے کہ ہم نے مانا لیکن مانتے نہیں تھے۔ اللہ کے نزدیک سب سے بدتر جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو سوچنے سمجھنے سے عاری ہیں۔ اللہ نے ان میں کوئی صلاحیت نہیں پائی اس وجہ سے ان کو قبول حق سے محروم کر دیا۔ توفیق الٰہی انہی لوگوں پر کارگر ہوتی ہے جو اپنے اندر اثر پذیری اور قبول حق کی صلاحیت زندہ رکھتے ہیں۔

[۲۴ - ۲۶] مسلمانوں کو تنبیہ کہ رسول کی دعوت تمہارے لئے روح و قلب کی زندگی کی دعوت ہے تو اس دعوت کی قدر کرو اور اس پر لبیک کہو۔ اگر تم نے کمزوری دکھائی اور تذبذب کے شکار رہے تو یاد رکھو کہ آدمی اور اس کی قوت ارادی کے درمیان سنت الٰہی حائل ہو جاتی ہے۔ پھر وہ خیر کی توفیق سے محروم ہو جاتا ہے۔ اجتماعی زندگی میں جو خرابیاں کچھ مخصوص لوگوں کی طرف سے ظاہر ہوتی ہیں اگر دوسرے ان کی اصلاح کی کوشش نہ کریں تو ان کے بُرے نتائج کی لپیٹ میں اچھے بُرے سب آ جاتے ہیں۔ اسلام کے مستقبل کی طرف سے کسی تذبذب اور اندیشے میں مبتلا نہ ہو۔ تم اس ملک میں تھوڑے سے تھے۔ خدا نے تمہیں زیادہ کیا اور اپنی تائید و نصرت سے تمہیں نوازا۔ اسی خدا پر بھروسہ رکھو وہ آگے کے مراحل میں بھی تمہارا کارساز ہے۔

[۲۷ - ۲۹] کمزور قسم کے مسلمانوں کو تنبیہ کہ اللہ و رسول سے عہد اطاعت و وفاداری کر چکنے کے بعد بے وفائی نہ کرو۔ مال و اولاد کی محبت اللہ و رسول کی محبت کے تقاضوں میں مانع نہ ہو۔ یہ چیزیں فتنہ ہیں۔ ان فتنوں میں پڑ کر اس اجر عظیم کو ضائع نہ کرو جو اللہ کے پاس اس کے وفادار بندوں کے لئے محفوظ ہے۔ جو لوگ محبت دنیا کو اپنے اوپر غالب نہ ہونے دیں گے اللہ ان کے آگے سے باطل کے تمام حجابات چاک کر دے گا اور ان کو اپنی مغفرت سے نوازے گا۔

[۳۰ - ۳۷] پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے ان تائیدات ربانی کی یاددہانی جو قریش کی مسلسل سازشوں کے مقابل میں ظاہر ہوئیں اور جن سے ان کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ ان کی ساری چالیں شکست کھا گئیں اور خدا کی تدبیر غالب رہی۔ وہ قرآن کو اگلوں کا فسانہ کہتے تھے لیکن اس کا انذار ان کے لئے واقعہ ثابت ہوا۔ وہ مطالبہ کر رہے تھے کہ اگر تم پیغمبر بر حق ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسیں یا کوئی اور عذاب آئے تو ہم مانیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے ان پر عذاب نہیں بھیجا کہ تم ان کے اندر موجود تھے۔ لیکن اب جبکہ تم ان کے اندر سے نکل چکے ہو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ عذاب سے محفوظ رہیں۔ وہ اپنے آپ کو مسجد حرام کا متولی سمجھتے ہیں لیکن وہ اس کے متولی کہاں سے ہوتے؟ اس کے متولی تو صرف خدا سے ڈرنے والے بندے ہی ہو سکتے ہیں۔ ان مدعیوں کو اللہ کے اس گھر کی اصل تاریخ اور اس کے مقاصد تعمیر کا کوئی علم نہیں، تالی بجانا اور سیٹی بجانا ان کی نماز ہے۔ بھلا اس مسخراپن کو نماز ابراہیمی سے کیا علاقہ؟ یہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنے اور اسلام کو شکست دینے کے لئے بڑی دلیری سے جو اپنے مال خرچ کر رہے ہیں اس کا کچھ حاصل نہیں۔ یہ سارا خرچ ان کے لئے موجب حسرت و اندوہ بنے گا۔ اب ان کے آگے صرف جہنم ہے۔ خدا اس سارے ذخیرۂ خبیث کو اکٹھا کرکے دوزخ کی آگ میں جھونک دے گا۔

[۳۸ - ۴۰] کفار قریش کو تنبیہ کہ اگر وہ اپنی شرارتوں سے باز آ جائیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے۔

اگر انہوں نے اپنے رویے کی اصلاح کر لی تو ان کی پچھلی غلطیاں معاف کر دی جائیں گی اور اگر وہ باز نہ آئے تو یاد رکھیں کہ ان کا بھی وہی حشر ہونا ہے جو اُن سے پہلے انبیا کو جھٹلانے والی قوموں کا ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کو یہ ہدایت کہ اُن سے جنگ جاری رکھو۔ یہاں تک کہ کمزور مسلمانوں پر اُن کے جبر و ظلم کا خاتمہ ہو جائے اور اُس سرزمین پر اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین باقی نہ رہ جائے۔ اگر یہ باز آگئے تو ان کے لئے بہتر ہے، اگر باز نہ آئے تو خدا تمہارا مددگار ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔

[۴۱ - ۴۴] مال غنیمت کی تقسیم سے متعلق سوال مذکورہ آیت ۱ کا تفصیلی جواب اور مسلمانوں کو یہ تنبیہہ کہ اس تقسیم کو خوش دلی سے قبول کریں۔ اللہ و رسول کے فیصلہ پر راضی رہنا ہی سچے ایمان کی علامت اور اس کا تقاضا ہے۔ یہ یاد رکھو کہ بدر کے دن تمہیں جو کامیابی حاصل ہوئی، یہ تمہاری اپنی تدبیر اور تمہارے اپنے تدبر کا کرشمہ نہیں تھی بلکہ یہ ساری اسکیم اللہ کی بنائی ہوئی تھی۔ یہ اسی کی کارسازی تھی اور اس نے ٹھیک اس وقت تمہاری فوج کو اس وادی کے ایک سرے پر پہنچا دیا جس کے دوسرے سرے پر دشمن کی فوجیں پہنچ چکی تھیں۔ اگر تم ایک دوسرے کو الٹی میٹم دے کر نکلتے تو تمہارا یہ عین وقت پر دشمن کے مقابلہ کے لئے پہنچ جانا ممکن نہ تھا۔ یہ اللہ کی اسکیم تھی جو پوری ہوئی۔ اس نے یہ چاہا کہ تمہارے اور قریش کے درمیان ایک ایسا معرکہ ہو جائے جو حق و باطل کے درمیان ایک امتیاز پیدا کر دے تاکہ اس کے بعد جو کفر پر جمے رہنا چاہیں اُن پر حجت قائم ہو جائے اور جو اسلام کو اختیار کریں اُن کو ایک روشن دلیل مل جائے۔ یہی رمز تھا کہ خدا نے کفار کی فوج کو پیغمبر کی رویا میں کم دکھایا تاکہ مسلمانوں میں ہراس نہ پیدا ہو اور وہ ان سے ٹکر لینے کے لئے پُرحوصلہ رہیں اور پھر یہی رمز تھا کہ جب تمہاری اور ان کی فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو تمہاری نگاہوں میں خدا نے اُن کو حقیر دکھایا اور ان کی نگاہوں میں تم کو کم دکھایا تاکہ ٹکر لینے سے کوئی بھی نہ جھجکے اور وہ معرکہ واقع ہو ہی جائے جو حق و باطل کے درمیان ایک فرقان بن کر نمایاں ہو۔ یاد رکھو کہ سارے معاملات کا سررشتہ خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔

[۴۵ - ۴۶] مسلمانوں کو آئندہ کے لئے نصیحت کہ بدر کی اس جنگ میں تم نے دیکھ لیا کہ اصل کارساز خدا ہے تو جب کفار کے کسی گروہ سے تمہاری ٹکر ہو جائے تو پورے جماؤ اور پوری ثابت قدمی سے لڑو اور اپنے مرجع حقیقی خدا کو زیادہ سے زیادہ یاد کرو۔ یہی فلاح کا راستہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی پوری اطاعت کرو۔ کسی امر میں اختلاف نہ کرو ورنہ ہزیمت اٹھاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، دوسری چیز جو اطاعت کے ساتھ مطلوب ہے وہ ثابت قدمی اور پامردی ہے۔ خدا انہی کے ساتھ ہوتا ہے جو اس کی راہ میں ثابت قدمی دکھاتے ہیں۔

[۴۷ - ۴۹] ان کفار کی روش سے بچتے رہنے کی ہدایت جو اکڑتے، اتراتے اور اپنے کر و فر کی نمائش کرتے ہوئے میدان جنگ میں اترے تھے اور مقصود جن کا لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا تھا۔ ان لوگوں کو پتہ نہیں کہ خدا کے آگے کسی کی پیش نہیں جاتی، سب کا زور و زر اور سب کا کر و فر اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ان لوگوں کو شیطان نے پٹی پڑھائی تھی کہ آج تمہارا کوئی مدمقابل نہیں اور میں تمہارا ساتھی ہوں۔ لیکن جب اُس نے میدان جنگ کا نقشہ دیکھا تو اپنی روایت کے مطابق دم دبا کر بھاگا کہ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں (یہاں ایک لطیف تعریض یہود کی طرف بھی ہے۔ تفسیر میں اس کی وضاحت آئے گی) منافقین اور حاسدوں کے اس طعنہ کا جواب جو وہ مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کے لئے دیتے تھے کہ ان کو ان کے دین کے غرّے نے نتائج و عواقب سے بے پروا کر دیا ہے۔ یہ ہاتھیوں سے گنے کھانے چلے ہیں۔ ان منافقین کو پتہ نہیں تھا کہ خدا کا بھروسہ بڑی چیز ہے۔ خدا عزیز و حکیم ہے۔

[۵۰ - ۵۴] قریش کو تہدید کہ یہ بدر میں جو کچھ پیش آیا ہے یہ تو محض نقد عاجل ہے۔ مرنے کے بعد جو کچھ تمہارے سامنے آنے والا ہے وہ بڑی ہی سخت چیز ہے اور یہ جو کچھ ہوا ہے یا جو کچھ ہوگا یہ تم پر کوئی ظلم نہیں ہے بلکہ تمہارے اعمال کا قدرتی نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ اپنے رویے کو نہیں بدلتا جب تک وہ قوم اپنا رویہ نہ بدل دے۔ تم سے پہلے قوم فرعون اور دوسری قوموں کے ساتھ بھی اللہ نے یہی معاملہ کیا۔ جب انہوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی خدا نے ان کو تنبیہ کی۔ پھر جب اس تنبیہ کے بعد بھی وہ سرکشی سے باز نہ آئے تو خدا نے ان کو اپنے عذاب میں دھر لیا اور وہ فنا کر دیئے گئے۔ اسی طرح بدر کا واقعہ تمہارے لئے ایک تنبیہ ہے۔ اگر اس سے تم نے سبق نہ لیا تو تمہارے سامنے بھی وہی انجام آجائے گا جو فرعون اور اس کی قوم کے سامنے آیا۔

[۵۵ - ۶۲] پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کہ جن گروہوں نے تم سے معاہدہ کر رکھا ہے لیکن وہ اس معاہدے کا احترام نہیں کرتے ہیں بلکہ جب کوئی موقع ان کو ہاتھ آجاتا ہے معاہدے کو توڑ دیتے ہیں اُن کے ساتھ ذرا رعایت نہ کرو۔ اگر کسی جنگ میں وہ تمہارے مقابل میں آئیں تو ان کو ایسا سبق دو کہ جو ان کی پشت پناہی کر رہے ہیں اُن کے بھی ہوش درست ہو جائیں۔ یہ لوگ ہمارے قابو سے باہر نہیں نکل سکتے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے مقدور بھر اپنی فوجی قوت بڑھائیں تاکہ اللہ کے اور اپنے ان دشمنوں کو مرعوب رکھ سکیں جن میں سے بعض ظاہر ہیں اور بعض ابھی پس پردہ ہیں۔ مسلمان اس مقصد کے لئے جو بھی خرچ کریں گے خدا کے ہاں سب پورا کر دیا جائے گا کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ ہاں اگر یہ صلح کے خواہش مند ہوں تو تم بھی صلح سے گریز نہ کرو، اللہ پر بھروسہ کر کے ان سے صلح کر لو۔ اگر اس مصالحت سے ان کا مقصد

تم کو دھوکا دینا ہوا تو تمہارے لئے وہ اللہ کافی ہے جس نے اپنی تائید خاص اور مسلمانوں کے ذریعے سے تمہاری مدد فرمائی۔ یہ اللہ ہی کا فضل ہوا ہے کہ اس نے اہلِ ایمان کے دلوں کو آپس میں جوڑ دیا ہے ورنہ یہ کام تو دنیا جہان کی دولت بھی تم لٹا دیتے جب بھی ہونا ممکن نہیں تھا۔

[۶۴ - ۶۵] پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطمینان دہانی کہ تم اپنے ساتھیوں کی افرادی قوت کی کمی سے کسی پریشانی میں مبتلا نہ ہونا، تمہارے لئے اللہ اور مومنین کی یہی مختصر سی جماعت کافی ہے۔ تم انہی مسلمانوں کو جہاد پہ ابھارو۔ تمہارے بیس ثابت قدم جانباز کفار کے دوسو آدمیوں پہ بھاری رہیں گے۔ اور تمہارے سو مجاہد حریف کے ایک ہزار کے لشکر کو شکست دیں گے۔ جنگ عزم و ایمان سے لڑی جاتی ہے۔ ان ناسمجھ کفار کے اندر یہ جوہر کہاں ؟

[۶۶] ایک آیت تخفیف جو بعد میں اس زمانہ میں نازل ہوئی جب لوگ اسلام کے اندر فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ چونکہ ان مسلمانوں کے اندر وہ پختہ کاری نہیں تھی جو سابقون الاولون کے اندر تھی اس وجہ سے وہ عددی نسبت گھٹا دی گئی جو اوپر والی آیت میں مذکور ہوئی، اب نسبت صرف ایک اور دو کی رہ گئی۔ وضاحت آیت کی تفسیر کے تحت آئے گی۔

[۶۷ - ۶۹] کفار کے اس طعنہ کا جواب جو بدر میں شکست کھانے کے بعد انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کہ بھلا یہ پیغمبر کس طرح ہو سکتے ہیں، پیغمبر کا کہیں یہ کام ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہی قوم سے جنگ کرے، اس کا خون بہائے، اس کے اندر سے قیدی پکڑے، اُن سے فدیہ وصول کرے اور قوم کے مال کو مالِ غنیمت قرار دے کر اپنے ساتھیوں میں تقسیم کرے اور کھائے کھلائے؟ اس طعنہ سے اُن کا مقصود بدر میں مسلمانوں کی فتح کے اُن اثرات کو مٹانا تھا جو قدرتی طور پر عام لوگوں کے دلوں پر پڑتے نظر آئے۔ چونکہ قریش کے لیڈروں نے خود اس جنگ کو حق و باطل کے درمیان امتیاز کی کسوٹی بنا دیا تھا اس وجہ سے انہیں بدر میں منہ کی کھانے کے بعد اپنے پروپیگنڈے کا رخ بدل دینا پڑا۔ اب انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ نعوذ باللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اقتدار اور حکومت کے خواہاں ہیں اور اس مقصد کی خاطر انہوں نے اپنی ہی قوم کو آپس میں ٹکرا دیا ہے جو ایک پیغمبر کا کام کبھی نہیں ہونا۔ قرآن نے اُن کو یہ جواب دیا کہ یہ جو کچھ ہوا ہے پیغمبر کی وجہ سے نہیں ہوا ہے بلکہ اس کے باعث تم خود ہوئے ہو۔ دنیا کے طالب تم ہو، اللہ و رسول دنیا کے طالب نہیں ہیں۔ تم نے اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کی سازش کر کے جو اقدام کیا تھا وہ ایسا سنگین مجرمانہ اقدام تھا کہ حق تھا کہ تم پر خدا کی طرف سے عذابِ عظیم آجاتا جو تمہارا فیصلہ ہی کر دیتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے لئے جو مہلت لکھ رکھی ہے وہ تم کو ملی اور تم عذاب سے تباہ کر دیئے جانے کے بجائے صرف تنبیہ کر کے چھوڑ دیئے

گئے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو خطاب کرکے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ تمہارے مال غنیمت پر جو اعتراض کر رہے ہیں تم اس کی کوئی پروا نہ کرو۔ اس کو کھاؤ یہ تو بالکل تمہارے لئے حلال طیب ہے۔

[۷۰] اسی سلسلہ میں بدر کے قیدیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے یہ کہلوایا کہ اگر اللہ نے اُن کے دلوں میں کوئی بھلائی پائی، انہوں نے اس احسان کی قدر کی کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا، تو اُن کے لئے مزید بھلائی کی راہیں کھلیں گی اور اگر انہوں نے بے وفائی اور بدعہدی کی اور پھر خدا سے لڑنے کے لئے نکلے تو یاد رکھیں کہ خدا ان پر پھر تم کو اسی طرح قابو دے دے گا جس طرح اس نے بدر میں ان کو تمہارے قابو میں دے دیا۔

[۷۱ - ۷۵] مہاجرین اور انصار کے درمیان اخوت کی تاسیس۔ اس اخوت میں وہ تمام مسلمان شریک ہیں جو کفر کے علاقوں سے ہجرت کرکے اس میں آ شامل ہوں۔ جو مسلمان ہجرت نہ کریں، دارالاسلام کے مسلمانوں پر ان کی نصرت و حمایت کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اگر اپنے دین و ایمان کے تحفظ کے لئے وہ کسی مدد کے طالب ہوں تو ان کی مدد کی جائے بشرطیکہ یہ مدد مسلمانوں کے کسی معاہد گروہ کے خلاف یا اس کے مقابل میں نہ ہو۔ اب حقوق و فرائض اور حمایت و نصرت کی ذمہ داری ایمان و ہجرت کی بنیاد پر ہوگی۔ پچھلے خاندانی اور قبائلی تعلقات کی بنیاد پر نہیں ہوگی البتہ مسلمانوں کے آپس کے حقوق کی بنیاد انہی رحمی رشتوں کے تحت ہوگی جو اللہ کی کتاب میں بیان ہوئے ہیں۔

۸۔ سورۂ انفال

مدنی ----- آیات ۷۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ آیات ۱ - ۴
وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ ۪ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗۤ اِنْ کُنْتُمْ
مُّؤْمِنِیْنَ ○ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ
وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ
یَتَوَکَّلُوْنَ ۚۖ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ○

أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ
وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ
فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا
تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُ
كُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ
ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ
وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

ترجمہ آیات ۱-۸

وہ تم سے غنیمتوں کے بابت سوال کرتے ہیں۔ ان کو بتا دو کہ غنیمتیں اللہ اور رسول کے لئے ہیں۔ پس اللہ سے ڈرتے رہو، اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم سچے مومن ہو۔ مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے ان کے دل دہل جائیں اور جب اس کی آیتیں ان کو سنائی جائیں تو وہ ان کے ایمان میں اضافہ کریں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھیں۔ جو نماز کا اہتمام کریں اور اس مال میں سے جو ہم نے ان کو بخشا ہے خرچ کریں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کے پاس درجے اور مغفرت اور باعزت روزی ہے۔ ۱-۴

اسی طرح کی بات اس وقت ظاہر ہوئی جب تمہارے رب نے ایک مقصد کے ساتھ تم کو گھر سے نکلنے کا حکم دیا اور مسلمانوں میں سے ایک گروہ کو یہ بات ناگوار تھی۔ وہ تم سے امر حق میں جھگڑتے رہے، باوجودیکہ حق ان پر اچھی طرح واضح تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں۔ یاد کرو جب کہ اللہ تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا، وہ تمہارا لقمہ بنے گا اور تم یہ چاہ رہے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمہارا لقمہ بنے اور اللہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے کلمات سے حق کا بول بالا کرے اور کافروں کی جڑ کاٹے تاکہ مجرموں کے علی الرغم وہ حق کو پا بر جا اور باطل کو نابود کرے۔ ۵-۸

۱۔ الفاظ و اسالیب کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

لفظ انفال کی تحقیق

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ] انفال، نفل کی جمع ہے۔ اس کے معنی اضافہ اور زیادتی کے ہیں۔ جو چیز کسی کو اس کے حق سے زیادہ دی جائے تو جتنی حق سے زیادہ دی گئی وہ نفل ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے حق واجب سے زیادہ ادا کیا تو اس حصہ مزید کو نفل کہیں گے۔ یہاں "انفال" سے اس مال غنیمت کو تعبیر کیا گیا ہے جو راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کو مفتوح دشمن سے میدان جنگ میں حاصل ہوتا ہے۔ اس تعبیر میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے دشمن سے جو مال غنیمت حاصل کرتے ہیں اس کی حیثیت ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نفل مزید اور انعام مزید کی ہے اس لئے کہ جہاد کا جو اجر ہے اس سے بالکل الگ مستقلاً اللہ کے ہاں دائمی اور بے پایاں اجر کی شکل میں محفوظ ہو جاتا ہے۔

غنیمت کے متعلق سوال کی نوعیت

سوال، جیسا کہ ہم بقرہ کی تفسیر میں واضح کر چکے ہیں، بعض اوقات اعتراض کی نوعیت کا بھی ہوتا ہے خواہ وہ الفاظ سے ظاہر ہو یا ان کے اندر مضمر ہو۔ یہاں قرینہ دلیل ہے کہ اسی نوعیت کے سوال کا حوالہ ہے۔ یہ سوال، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، غزوۂ بدر میں حاصل شدہ مال غنیمت سے متعلق ہے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو کفار سے نہ تو کوئی منظم جنگ پیش آئی تھی نہ مال غنیمت اور اس کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا تھا۔ ۲ھ میں یہ جنگ پیش آئی جس میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح بھی شاندار عطا فرمائی اور مال غنیمت بھی ان کو کافی مقدار میں حاصل ہوا۔ جاہلیت میں تو دستور یہ تھا کہ جو جتنا مال جنگ میں لوٹے وہ اس کا حقدار ہے۔ اسی دستور کی بنا پر بعض لوگوں نے خاص طور پر کمزور قسم کے مسلمانوں نے ایسے سوالات اٹھائے جن سے یہ بات نمایاں ہوئی کہ تقویٰ، باہمی خیر خواہی، اطاعت اللہ و رسول کی وہ روح جو سچے ایمان کا تقاضا ہے ابھی ایک گروہ کے اندر اچھی طرح پختہ نہیں ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ سوال، جیسا کہ قرائن سے واضح ہے، کچھ خاص افراد ہی کی طرف سے اٹھایا گیا لیکن اسلامی معاشرہ کے اندر اس سے ایک بڑی خامی کی نشاندہی ہوئی تھی اس وجہ سے قرآن نے مسلمانوں کی تطہیر و تنظیم کی اس سورہ کا آغاز اسی واقعہ سے کیا کہ

سرچشمہ شاید گرفتن بہ میل چو پُر شد نشاید گذشتن بہ پیل

اور اس کا ذکر بھی عام صیغہ سے کیا تاکہ کسی خاص گروہ کی پردہ دری نہ ہو بلکہ تمام مسلمان بہ حیثیت مجموعی اس تعلیم کو قبول کریں اور اپنے اندر کسی ایسے رجحان کو نشو و نما نہ پانے دیں جو تقویٰ و توکل، باہمی ہمدردی اور اطاعت اللہ و رسول کے خلاف ہو۔

جس قسم کے سوال کی طرف قرآن نے یہاں اشارہ کیا ہے اس کی تفصیل تاریخ و سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔ ابن ہشام میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے فارغ ہونے کے بعد حکم دیا کہ فوج کے لوگوں

نے جتنا مال غنیمت جمع کیا ہے سب اکٹھا کیا جائے چنانچہ وہ سب اکٹھا کیا گیا۔ اب لوگوں میں اختلاف ہوا کہ یہ کس کا حق ہے؟ جن لوگوں نے جمع کیا تھا وہ مدعی ہوئے کہ یہ ہمارا حق ہے، جو لوگ دشمن کے مقابل میں رہتے یا جنہوں نے اس کا تعاقب کیا وہ بولے کہ یہ ہمارا حق ہے۔ اگر ہم نہ ہوتے تو یہ مال حاصل نہ ہوتا ہم نے دشمن کو مار بھگایا اس وجہ سے یہ ہاتھ لگا۔ اسی طرح جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر تھے انہوں نے کہا کہ ہم بھی سب کچھ کر سکتے تھے، لڑ بھی سکتے تھے، غنیمت بھی جمع کر سکتے تھے لیکن ہم نے رسول اللہ کی حفاظت کے کام کو دوسرے سب کاموں پر مقدم رکھا۔ اس وجہ سے مال غنیمت میں دوسرے لوگ ہم سے زیادہ حقدار نہیں ہو سکتے۔ غرض مختلف سوالات اٹھ کھڑے ہوئے جن سے لوگوں کے اندر دبی ہوئی بعض کمزوریاں سامنے آ گئیں اور حکمت الٰہی مقتضی ہوئی کہ ان کمزوریوں کا بروقت علاج ہو جائے کہ یہ مزید بڑھنے نہ پائیں۔

سوالات کا اصولی جواب

قل الانفال للہ والرسول - یہ ان تمام سوالات کا جامع اور اصولی جواب ہے کہ ان کو بتا دو کہ اموال غنیمت اللہ اور رسول کی ملک ہیں۔ "اللہ و رسول کی ملک" قرآن میں اجتماعی ملکیت کی تعبیر ہے۔ اس اصولی جواب نے اموال غنیمت کے باب میں اس جاہلی دستور کا خاتمہ کر دیا جو اب تک رہا تھا اور جس کی بنا پر ہی وہ سوالات پیدا ہوئے تھے جو اوپر مذکور ہوئے۔ گویا اموال غنیمت میں استحقاق کی بنیاد یہ نہیں ہو گی کہ کس نے جمع کیا، کس نے بالفعل جنگ کی، کس نے پہرہ دیا بلکہ اس میں سب مجاہدین بلا لحاظ اس کے کہ کس کی خدمت کی نوعیت کیا رہی ہے، شریک ہوں گے اور دوسرے مسلمانوں کا بھی اس میں حصہ ہو گا۔ یہاں یہی اصولی جواب دے کر کلام کا رخ ان خامیوں کی اصلاح کی طرف مڑ گیا ہے جو اس واقعہ سے نمایاں ہوئی تھیں۔ پھر آگے چل کر آیت ۴۱ میں اس اجمال کی تفصیل بھی فرما دی ہے کہ اس کا کتنا حصہ مجاہدین پر تقسیم ہو گا اور کتنا حصہ دوسرے مسلمانوں کے حق کی حیثیت سے بیت المال میں جمع ہو گا۔

مسلمانوں کی اجتماعی شیرازہ بندی کی بنیاد

فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم - جس طرح تقویٰ اور پاس رحم کو سورۂ نسا میں تمام خاندانی و معاشرتی صلاح و فلاح کی اساس ٹھہرایا ہے اسی طرح یہاں تقویٰ اور اصلاح ذات البین کو مسلمانوں کی اجتماعی شیرازہ بندی کی بنیاد قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اموال غنیمت اصلاً اللہ اور رسول کی ملکیت ہیں تو اللہ و رسول جس طرح ان کو تقسیم کریں پوری خوش دلی اور رضامندی سے وہ تقسیم قبول کرو۔ نہ اللہ کے حکم سے متعلق دل میں کوئی بدگمانی یا رنجش پیدا ہو اور نہ اپنے دینی بھائیوں کے خلاف کوئی رشک و حسد کا جذبہ ابھرے کہ فلاں اور فلاں کو اس مال میں کیوں شریک بنا دیا گیا؟ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان کے باہمی تعلقات کی بنیاد اخوت، رحم اور محبت پر ہے۔ یہ رحماء بینھم کا گروہ ہے۔ ان کے اندر

حسد، رقابت، خود غرضی اور نفسا نفسی کی حالت اس ایمان اور تقویٰ کے منافی ہے جس کو انہوں نے اختیار کیا ہے۔ جن کے اندر ابھی کوئی کانٹا اپنے دینی بھائیوں کے خلاف موجود ہے وہ اس کو نکال ڈالیں اور اپنے دامن دل کو ہر قسم کے غبار سے پاک وصاف کر لیں۔

ایمان باللہ کا لازمی تقاضا

واطیعوا اللہ ورسولہٗ ان کنتم مؤمنین - یہ ایمان باللہ کا اصل تقاضا بیان ہوا کہ جو لوگ اللہ و رسول پر ایمان کے مدعی ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ اللہ و رسول کے ہر حکم کی اطاعت کریں۔ یہ بات ایمان کے منافی ہے کہ اللہ و رسول کا کوئی حکم اپنی خواہشات نفس کے خلاف ہو تو اس کے خلاف بغاوت کا جذبہ ابھرے یا اس سے متعلق دل میں کوئی رنجش یا بدگمانی جگہ پائے۔ ان کنتم مؤمنین کے الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ جو لوگ ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں وہ ایمان کی اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیں جنہوں نے ایمان کی یہ حقیقت نہیں سمجھی ہے ان کا دعوائے ایمان بالکل بے حقیقت ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ ۲-۴

سچے اہل ایمان کے اوصاف

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ — اب یہ حقیقی ایمان اور سچے اہل ایمان کے اوصاف بیان ہو رہے ہیں۔ گویا "ان کنتم مؤمنین" کے الفاظ میں جن کمزور قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ تھا ان کے سامنے سچے اہل ایمان کی تصویر رکھ دی گئی کہ اگر ایمان کا دعویٰ ہے تو اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرو۔ ان صفات کے بدون یہ دعویٰ کسی کو زیب نہیں دیتا۔

ایمان کا پہلا تقاضا

اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایمانا - ان کی پہلی علامت یہ بتائی کہ ان کے اندر خدا کی عظمت و کبریائی اور اس کی جلالت کا شعور ہوتا ہے اس وجہ سے وہ خدا سے برابر ڈرتے رہتے ہیں۔ جب ان کے سامنے خدا کا نام آجائے جیسا ان کو اس کی یاد دلائی جائے، جب ان کے سامنے کوئی بات خدا کی بات کی حیثیت سے پیش کی جاتی ہے تو وہ اس کو خوف و خشیت کے گہرے احساس کے ساتھ سنتے ہیں۔ گویا ایمان کا پہلا تقاضا خدا کا خوف ہے جو اس کی عظمت و جلالت اور اس کی صفات عدل و حکمت و ربوبیت و رحمت کے صحیح تصور سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی سے وہ تقویٰ وجود میں آتا ہے جس کی اوپر "واتقوا اللہ" کے الفاظ سے ہدایت فرمائی گئی ہے۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ خدا کی رحمت و ربوبیت بھی، جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں، خدا کے عدل اور اس کے روز جزا کو مستلزم ہیں۔ اس وجہ سے ان صفات کا صحیح تصور بھی بندے کو خدا سے بے خوف نہیں بناتا بلکہ اس کے خوف کو بڑھاتا ہے اور اس خوف کی بنیاد خدا کی محبت پر ہوتی ہے۔

ایمان کی دوسری علامت

دوسری علامت یہ بتائی کہ جب اللہ کی آیات ان کو سنائی جاتی ہیں یہ ان کے ایمان کو بڑھاتی ہیں۔ قرینہ دلیل ہے کہ یہاں آیات سے مراد خدا کے احکام اور اس کے قوانین ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خدا پہ ایمان کے بعد ان کو سب سے زیادہ مرغوب و مطلوب خدا کی پسند و ناپسند اور اس کی مرضیات و احکام کا علم ہوتا ہے اور یہ علم ان کی دولت ایمان میں اضافہ کرتا ہے۔ ایمان کی مثال جڑ کی ہے اور آداب و احکام و قوانین و شرائع کی حیثیت اس جڑ سے پھوٹی ہوئی شاخوں اور ان سے ظہور میں آئے ہوئے برگ و بار کی۔ گویا پوری شریعت ایمان ہی کا مظہر اور اسی کے مضمرات کی تفصیل ہوئی۔

زادتھم ایمانا کے اسلوب بیان سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ جن کے اندر ایمان موجود ہوتا ہے جب ان کے سامنے ایمان کے مقتضیات و مطالبات آتے ہیں تو وہ پوری بشاشت سے ان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ وہ ان کی مقتضیات و مطالبات کو اپنے ہی لگائے ہوئے درخت کا پھل اور اپنی ہی بوئی ہوئی کھیتی کا حاصل سمجھتے ہیں اور جس طرح ہر کسان اپنی کھیتی کے حاصل اور اپنے درخت کے پھلوں میں افزونی دیکھ کر باغ باغ ہوتا ہے اسی طرح یہ اہل ایمان بھی اپنے ایمان کی یہ افزائش دیکھ کر شادمان ہوتے ہیں۔ گویا ان مدعیان ایمان پر ایک لطیف تعریض ہوئی جو ایمان کا دعویٰ کرنے کو تو کر بیٹھے لیکن جب اس کے مطالبے سامنے آئے تو ان سے خوش ہونے کے بجائے ان کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے کہ یہ کیا بلا نازل ہو گئی۔

ایک نکتہ

یہ نکتہ بھی یہاں ملحوظ رہے کہ ایمان کے اقرار کے بعد اس کے مطالبات میں سے بڑا یا چھوٹا جو مطالبہ بھی اہل ایمان کے سامنے آتا ہے وہ ان کے لئے آزمائش و امتحان کا ایک میدان کھولتا ہے اور جو سچے اہل ایمان ہوتے ہیں وہ اس امتحان سے گھبرانے کی بجائے اس میں بازی جیتنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ کوشش ان کی مومنانہ فتوت کا ایک فطری تقاضا ہوتی ہے جس کے بروئے کار آنے سے ان کے لئے ہر امتحان فتح مندی کا ایک نیا دروازہ کھولتا ہے جس سے ان کا ایمان قوی سے قوی تر ہوتا جاتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف سورۂ احزاب میں یوں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ولما رأی المومنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما ۲۲- احزاب- (اور جب مومنوں نے پارٹیوں کے ہجوم کو دیکھا تو بولے یہ تو وہی صورت حال سامنے آئی ہے جس سے

اللہ اور رسول نے پہلے ہی ہمیں خبردار کر دیا تھا اور اس چیز نے اُن کے ایمان و اطاعت میں اضافہ ہی کیا)

ایمان کی تیسری علامت

'وعلیٰ ربھم یتوکلون'۔ یہ ان کی تیسری علامت بیان ہوئی کہ وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ یعنی ایمان کے مطالبے خواہ سخت ہوں یا نرم، ان سے دنیوی مفادات کو نقصان پہنچے یا نفع، ان کی خاطر تعلقات ٹوٹیں یا جڑیں، وہ بہرحال دین و دنیا کی فلاح اپنے رب کے احکام کی تعمیل ہی میں سمجھتے ہیں یہاں تک کہ ایمان کی راہ میں انہیں اپنے سر بھی کٹوانے پڑ جاتے ہیں تو وہ یہی یقین رکھتے ہیں کہ حیات جاوداں کے حصول کی راہ یہی ہے ان کو اپنے رب پر پورا بھروسہ ہوتا ہے کہ اس نے جو حکم بھی ان کو دیا ہے اور جس آزمائش میں بھی ان کو ڈالا ہے اس میں سرتاسر انہی کی فلاح ہے۔ اپنے بندوں کے ساتھ خدا کا کوئی معاملہ بھی حکمت و مصلحت اور رحمت و برکت سے خالی نہیں۔ اس ٹکڑے میں بھی ان خام کاروں پر تعریض ہے جو دین کے مطالبات کو اپنے مفادات کی میزان میں تولنے کے خواہش مند تھے اور وہ باتیں ان کو بالکل بے مصلحت نظر آتی تھیں جن کو وہ اپنی خواہشات کے خلاف پاتے تھے۔

'الذین یقیمون الصلوٰۃ و مما رزقنٰھم ینفقون' یہ چوتھی علامت بیان ہوئی، اور اس کی حیثیت، جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں، راس الصفات کی ہے اس لئے کہ انہی دو چیزوں۔ اہتمام نماز اور انفاق۔ سے ان تمام اوصاف کی شیرازہ بندی ہوتی ہے جن سے ایمان اہل ایمان کو سنوارتا ہے۔ گویا اوپر ان چند خاص اوصاف کو بیان کرنے کے بعد جن کا بیان کرنا پیش نظر گروہ کی خامیوں کی اصلاح کے لئے ضروری ہوا، آخر میں ان دو چیزوں کا ذکر فرما دیا جو سب کی جامع بھی ہیں اور سب کی محافظ بھی۔

'اولئک ھم المومنون حقا' یعنی جن کے اندر یہ اوصاف ہیں سچے مومن وہی ہیں۔ رہے وہ لوگ جو اہل ایمان کی صفوں میں تو آ گھسے ہیں لیکن ان اوصاف سے عاری ہیں وہ محض مدعی ایمان ہیں، سچے مومن نہیں ہیں۔ گویا اوپر 'ان کنتم مومنین' کے الفاظ میں جو بات اشارۃً فرمائی گئی تھی، اب وہ پوری طرح واضح ہو کر سامنے آ گئی۔

'لھم درجات عند ربھم و مغفرۃ و رزق کریم' مطلب یہ ہے کہ خدا کے ہاں جو درجے اور مرتبے ہیں وہ ہر مدعی ایمان کے لئے نہیں ہیں بلکہ انہی لوگوں کے لئے ہیں جو اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس سیاق میں 'مغفرۃ' کا لفظ بڑا بلیغ اور بشارت انگیز ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ ہر چند مطلوب و مطبوع تو یہی اوصاف ہیں اور مراتب انہی کے اعتبار سے قائم ہوں گے لیکن اللہ رحیم و کریم ہے، وہ اپنے بندوں کی کمزوریوں سے بھی واقف ہے، اس وجہ سے ان غلطیوں اور کوتاہیوں کے

لئے اس کی مغفرت کا دامن بھی ہے جو انسان کی بشریت کے لوازم میں سے ہیں۔

' رزق ' کا لفظ، جیساکہ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں ایک جامع لفظ ہے اور ' کریم ' کی صفت اس کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اگرچہ بندوں کو سارا رزق و فضل رب کی عنایت ہی سے ملے گا لیکن اس کے ساتھ بندوں کے لئے عزت کی یہ سرفرازی بھی ہوگی کہ یہ سب کچھ ان کے حق کی حیثیت سے ان کو عطا ہوگا۔

ایمان کے گھٹنے اور بڑھنے کی توجیہ

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ ایمان کوئی ٹھونٹھ درخت نہیں ہے بلکہ یہ جڑ بھی رکھتا ہے اور شاخیں اور برگ و بار بھی۔ قرآن میں اس کی تمثیل یوں بیان ہوئی ہے کہ ' اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء ' اس کی مثال ایک ایسے درخت کی ہے جس کی جڑیں پاتال میں اتری ہوئی ہوں اور جس کی شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی ہوں۔ یہ جس طرح عقائد پر مبنی ہے اسی طرح احکام و شرائع پر بھی مشتمل ہے۔ اور جس طرح ایک شاداب درخت اپنی جڑوں سے بھی غذا حاصل کرتا ہے اور اپنی شاخوں اور اپنے پتوں سے بھی، اسی طرح یہ عقائد کی معرفت اور اعمال کی بجاآوری دونوں سے غذا اور قوت حاصل کرتا ہے، اگر عقائد ہی میں کھوکھلاپن پیدا ہو جائے جب بھی یہ سوکھ جاتا ہے اور اگر اس کی شاخوں کو کوئی روگ لگ جائے، جب بھی یہ مضمحل ہو جاتا ہے۔ اس کے صحیح نشو و نما کے لئے ضروری ہے کہ اس کی جڑ اور اس کی شاخوں دونوں کی دیکھ بھال ہوتی رہے۔ اسی دیکھ بھال سے یہ بڑھتا، پھیلتا اور پھلتا پھولتا ہے اور اس کے مفقود ہو جانے سے وہ گھٹتا، سکڑتا اور مردہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک قرآن و حدیث دونوں سے یہی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ ہمارے فقہا اور متکلمین میں سے جن لوگوں نے ایمان کے گھٹنے بڑھنے سے انکار کیا ہے، ان کی بات کا کوئی صحیح محل اگر ہو سکتا ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس کو قانونی ایمان سے متعلق مانا جائے۔ قانون چونکہ صرف ظاہری حالات ہی سے تعلق رکھتا ہے، باطن اس کی دسترس سے باہر ہے اس وجہ سے اس کی نظر میں ایک مخلص اور ایک منافق کے ایمان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ حقیقت کی نگاہ میں بھی دونوں کا ایمان یکساں ہے۔ یہاں اس اجمالی اشارے پر قناعت کیجئے، اس پر تفصیلی بحث اپنے محل میں آئے گی۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ
اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ
اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ
وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۸-۵

کَمَا - عربی زبان میں 'کذلک'، 'کذبک' اور 'کما'، بسا اوقات واقعہ کی مماثلت واقعہ سے ظاہر کرنے کے لئے بھی آتے ہیں۔ ایسی صورت میں متعین الفاظ کے اندر ان کا مشبہ یا مشبہٌ بہ نہیں ہوتا، بلکہ بحیثیت مجموعی واقعہ کے اندر ہوتا ہے۔ 'کذلک' بقرہ کی آیت ۱۴۳ میں اسی نوعیت سے آیا ہے۔ امراءالقیس نے اپنے مشہور قصیدہ میں پہلے اپنی ایک سرگزشت عشق بیان کی اس کے بعد 'کذابک من ام الحویرث قبلہا' کہہ کر اپنی اسی طرح کی دوسری سرگزشتوں کا ذکر شروع کر دیا کہ اسی طرح کا ماجرا اس کو فلاں اور فلاں کے ساتھ بھی پیش آ چکا ہے۔ بقرہ آیت ۱۵۱ سے اوپر تحویل قبلہ کا ذکر ہوا، پھر بدون کسی تقریب و تمہید کے ارشاد ہوا 'کما ارسلنا فیکم رسولا منکم'، یہ بھی اسی طرح کا اسلوب بیان ہے یعنی تمہارے قبلہ کو اہل کتاب کے قبلہ سے الگ کر کے خدا نے تم کو ایک علیحدہ امت کی حیثیت سے ممتاز کر دیا، جس طرح تمہارے اندر تمہی میں سے ایک رسول مبعوث کر کے تمہیں ممتاز کیا۔ اسی طرح کا 'کما'، یہ زیر بحث آیت میں بھی ہے۔ اوپر جیسا کہ مذکور ہوا، ان کمزور قسم کے مسلمانوں کے رویہ پر گرفت فرمائی ہے جو بدر میں حاصل شدہ مال غنیمت کی تقسیم پر معترض ہوئے تھے۔ جب ان کی یہ کمزوری زیر بحث آ گئی تو تعلیم و تربیت کا تقاضا یہ ہوا کہ ان لوگوں کی ایک اور کمزوری کی طرف بھی توجہ دلا دی جائے جو اس سے پہلے ان سے اس وقت ظاہر ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے بدر کے لئے نکلنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ گویا اس وقت تو ان کی غلطی نظر انداز فرما دی گئی کہ حکمت کا تقاضا یہی تھا لیکن جب اسی طرح کی غلطی ان سے پھر صادر ہوئی تو اس پر گرفت فرمائی گئی اور ساتھ ہی سابق غلطی کی طرف بھی اشارہ فرما دیا گیا کہ لوگ متنبہ ہو جائیں کہ یہ بیماری کہاں سے چلی ہے اور اگر اس کی اصلاح نہ ہوئی تو کہاں تک پہنچ سکتی ہے۔

'اخرجک ربک من بیتک بالحق'۔ 'اخرجک ربک' کے الفاظ اس امر پر نہایت واضح دلیل ہیں کہ بدر کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکلنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا تھا۔ آگے آیت ۴۲-۴۳ میں یہ اشارہ موجود ہے کہ آپ کو رؤیا میں شام کی طرف سے قافلۂ قریش کی واپسی اور مکہ کی طرف سے فوج قریش کی آمد کا مشاہدہ کرا دیا گیا تھا اور حملہ آور فوج کی حقیقت بھی واضح کر دی گئی تھی کہ معنوی اعتبار سے وہ کچھ زیادہ وزنی نہیں ہوگی بلکہ مسلمانوں سے مغلوب ہو جائے گی۔ روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسی رؤیا میں حضور کو قریش کے خاص خاص لیڈروں کے قتل ہونے کی جگہیں بھی دکھا دی گئی تھیں۔ اسی رؤیا کی ہدایت کے بموجب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے۔ اس وجہ سے اس کو

بدر کے لئے مسلمانوں کا نکلنا امر الٰہی سے ہوا

"اخرجک ربک من بیتک" کے الفاظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ آگے آیت ۴۲ سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اسی خدائی رہنمائی کی برکت تھی کہ مسلمان بالکل ٹھیک اس وقت قریش کی فوج کے مقابلے کے لئے بدر کے مقام پر پہنچ گئے جب کہ وادی کے ایک سرے پر ان کی فوج تھی اور نیچے سے قافلہ گزر رہا تھا۔

یا نکلنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے نکلنے کا یہ حکم ایک مقصد حق کے لئے دیا تھا۔ اس مقصد حق کی وضاحت آگے یوں فرما دی ہے "ویرید اللہ ان یحق الحق بکلمتہ ویقطع دابر الکفرین" (اللہ تعالیٰ اپنے حکموں سے یہ چاہتا ہے کہ حق کا بول بالا کرے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے) "لیحق الحق ویبطل الباطل ولو کرہ المجرمون" (تاکہ حق کا بول بالا کرے اور باطل کو نابود کرے مجرموں کے علی الرغم) اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکلنا ابتدا ہی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ایک مقصد حق کے لئے تھا اور وہ مقصد حق یہ تھا کہ دین کا بول بالا ہو اور کفر کی جڑ کٹے۔ ظاہر ہے کہ کفر کی جڑ کٹ سکتی تھی تو قریش کی [illegible] سے کٹ سکتی تھی نہ کہ ان کے کسی تجارتی قافلہ کو لوٹ لینے سے۔ اس وجہ سے سیرت و مغازی کی کتابوں کی وہ روایت قرآن کے الفاظ کے بالکل خلاف ہے جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے اس تجارتی قافلے پر حملہ کرنا چاہتے تھے جو ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آ رہا تھا۔

"وان فریقا من المؤمنین لکرھون" فریقا من المؤمنین سے [illegible] قسم کے مسلمانوں کی وہ ٹولی مراد ہے جس کا کردار ابتدائے سورہ ہی سے زیر بحث ہے [illegible] سے متعلق بعد میں وہ سوالات بھی اٹھائے جن پر اوپر کی آیات میں تبصرہ ہوا ہے۔ فریقا کے لفظ سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ ان لوگوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں تھی بس ایک مختصر سی جماعت تھی۔ ان لوگوں کے جب یہ سنا ہوگا کہ کفار کی دو جماعتیں آ رہی ہیں جن میں سے ایک سے مقابلہ درپیش ہے تو یہ بات تاڑ فوراً تاڑ گئے ہوں گے کہ یہ مقابلہ بہرحال فوج سے ہونا ہے نہ کہ تجارتی قافلہ سے۔ اس وجہ سے ان لوگوں پر دہشت طاری ہوئی اور یہ دہشت ان کے اس ضعف اعتماد علی اللہ کا نتیجہ تھی جس کی طرف اوپر آیت ۲ میں اشارہ ہوا ہے۔

یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَھُمْ یَنْظُرُوْنَ۔ لفظ "مجادلۃ" کے معنی جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں اس کی تحقیق بیان کر چکے ہیں، بار بار و بالمبالغہ اپنی مخاطب سے اپنی بات منوانے کی کوشش کرنے کے ہیں۔ اوپر وضاحت ہو چکی ہے اس بات کی کہ جب ان کو خطرہ لاحق ہوا کہ مقابلہ فوج سے درپیش ہے تو اس سے فرار کی انہوں نے کچھ راہ نکالنی

چاہی۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باصرار اور بلطائف الحیل اپنی چرب زبانی سے اس رخ پر لانا چاہا کہ آپ تجارتی قافلے کا قصد کریں۔ بظاہر تو انہوں نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہوگی کہ یہ مشورہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی خیرخواہی میں دے رہے ہیں کہ قافلہ کو لوٹ لینے سے قریش کی کمر اقتصادی اعتبار سے ٹوٹ جائے گی، اس لئے کہ ان کے سرمایہ کا بڑا حصہ اس قافلے کے ساتھ ہے جس سے مسلمانوں کی موجودہ کمزور مالی حالت کو درست کرنے میں بڑی مدد ملے گی، لیکن اس مشورہ کی تہ میں ان کا وہی خوف بیٹھا ہوا تھا جس کو قرآن نے بے نقاب کر دیا ہے کہ "گویا وہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہوں اور وہ موت کو سامنے دیکھ رہے ہوں"۔ اس مشورے کا سب سے خطرناک پہلو یہ تھا کہ ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا، جیسا کہ قرآن کے الفاظ "بعد ما تبین" سے ثابت ہے، اچھی طرح واضح تھا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی بات منوانے کے لئے تمام حربے استعمال کئے۔ ہرچند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرحلے تک، جیسا کہ آگے والی آیت میں اشارہ آ رہا ہے، بعض خاص اسباب سے، جن کی تفصیل آگے آئے گی، اپنا منشا واضح الفاظ میں ظاہر نہیں فرمایا تھا لیکن یہ لوگ اتنے غبی نہیں تھے کہ یہ نہ سمجھ سکیں کہ جب ایک طرف تجارتی قافلہ ہے اور دوسری طرف سے فوج آ رہی ہے تو آنحضرت کا یہ نکلنا کس سے نمٹنے کے لئے ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ دل کے بودے ضرور تھے لیکن عقل کے اتنے غریب نہیں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج، اسلام کے مقاصد، احقاق حق کے تقاضوں سے اتنے نابلد ہوں کہ یہ موٹی سی بات بھی نہ سمجھ سکیں کہ کسی تجارتی قافلہ کو تاخت و تاراج کرنا بھلا کیا کام ہو سکتا ہے جس کے لئے خدا کا رسول اپنے جاں نثاروں کے ساتھ یوں سر بکف ہو کر نکلے! چنانچہ آگے تفصیل آئے گی کہ نہ مہاجرین کے لیڈروں کو آنحضرت کا منشا سمجھنے میں کوئی اشتباہ پیش آیا نہ انصار کے جاں نثاروں کو۔ سب نے پہلے ہی مرحلے میں تاڑ لیا کہ حضورؐ کا منشا کیا ہے اور اس منشا کی تکمیل کے لئے وہ سر بکف ہو گئے۔ صرف ایک گروہ موت کے ڈر سے آخر وقت تک سخن سازی کرتا رہا۔ اسی وجہ سے اس کا رویہ قرآن میں زیر بحث آیا تاکہ آئندہ کے مراحل میں مسلمان ان داخلی فتنوں سے ہوشیار رہیں۔

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰهُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ
اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَةِ تَکُوْنُ لَکُمْ

"واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم" کا اسلوب بیان بتا رہا ہے کہ وہ اس حقیقت کے اظہار کے لئے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکلتے وقت انصار و مہاجرین سے جب اس مہم کے باب میں استمزاج فرمایا تو بات کھل کر یوں نہیں فرمائی کہ تجارتی قافلہ کی حفاظت کا بہانہ بنا کر قریش

آنحضرت کے مقصد کا اندازہ کرنے کے لئے ایک قرینہ

نے ہم پر حملہ کرنے کے لئے اپنی فوج بھیج دی ہے بلکہ مبہم انداز میں یوں فرمایا کہ کفار کی دو جماعتیں آ رہی ہیں جن میں ایک کو اللہ تعالیٰ ہمارے قابو میں کر دے گا۔ یہ مبہم انداز بیان حضورؐ نے کیوں اختیار فرمایا؟ ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک اہم مہم پر روانہ ہونے سے پہلے حضورؐ نے چاہا کہ ہر گروہ کا جائزہ لے لیا جائے کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ اگر مسئلہ کو بالکل دو ٹوک انداز میں لوگوں کے سامنے رکھ دیتے تو مخلص و منافق سب کو آمنا و صدقنا کہتے ہی بن پڑتی۔ پھر نہ تو کسی کو اس سے اختلاف کی جرأت ہوتی اور نہ کسی کی کمزوری ظاہر ہو سکتی۔ یاد ہوگا یہی طریقہ آپ نے جنگ اُحد کے موقع پر بھی اختیار فرمایا۔ اس وقت آپ نے لوگوں کے سامنے یہ سوال رکھا کہ جنگ شہر سے باہر نکل کر کی جائے یا شہر میں محصور ہو کر اور خود اپنی رائے ظاہر نہیں فرمائی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جان نثاروں نے شہر سے باہر نکل کر جنگ کرنے کی رائے دی اور کمزور قسم کے لوگوں نے شہر میں محصور ہو کر۔ اس طرح آپ کو جماعت کے قوی و ضعیف اور مخلص و منافق سب کا جائزہ لینے کا موقع مل گیا[1]۔ اسی حکمت و مصلحت سے حضورؐ نے اس موقع پر بھی بات مبہم انداز میں فرمائی کہ لوگوں کے جواب سے اندازہ ہو جائے کہ کون کس طرز پہ سوچ رہا ہے۔ چنانچہ پہلے آپ نے مہاجرین کا عندیہ معلوم کرنا چاہا وہ صاف سمجھ گئے کہ حضورؐ کا منشا کیا ہے۔ چنانچہ ان میں سے مقداد بن عمروؓ نے اٹھ کر ایک ایسی تقریر کی جس کی گونج اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ باقی رہے گی۔ انہوں نے فرمایا:-

"اے اللہ کے رسول، اللہ نے آپ کو جس بات کا حکم دیا ہے آپ اس کے لئے اقدام کیجئے۔ آپ جہاں کے لئے نکلیں گے ہم آپ کے ہم رکاب ہیں۔ ہم آپ سے وہ بات کہنے والے نہیں ہیں جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہی تھی کہ تم اور تمہارا رب دونوں جا کر لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ ہمارا قول یہ ہے کہ آپ اور آپ کا رب دونوں جنگ کے لئے نکلیں جب تک ایک آنکھ بھی ہم میں گردش کرتی ہے ہم سرکٹانے کے لئے حاضر ہیں۔"

کیا یہ تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ ان الفاظ میں جن لوگوں کی ترجمانی کی گئی ہے ان کے کسی فرد میں بھی کسی تجارتی قافلے پر حملے کا کوئی موہوم وسوسہ بھی ہو سکتا ہے؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کی طرف سے اطمینان کر لینے کے بعد اپنے وہی الفاظ جو اوپر مذکور ہوئے پھر دہرائے۔ انصار سمجھ گئے کہ اب حضورؐ ہمارا عندیہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انصار کے لیڈر سعد بن معاذؓ اٹھے اور انہوں نے عرض کیا کہ حضورؐ کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟ پھر انہوں نے وہ

---

[1] اس مسئلہ پر تفصیلی بحث آل عمران کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

تقریر کی جس کا ایک ایک لفظ میدانِ جہاد کا رجز ہے اور جس کی حرارتِ ایمانی چودہ سو سال گزرنے پر بھی ٹھنڈی نہیں پڑی ہے۔ انہوں نے فرمایا:

"ہم آپ پر ایمان لاتے ہیں اور ہم نے آپ کی تصدیق کی ہے۔ ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ جو دین آپ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے۔ ہم نے آپ سے سمع و طاعت کا عہد و میثاق کیا ہے۔ پس اے اللہ کے رسول۔ آپ نے جو ارادہ فرمایا ہے وہ پورا کیجیے۔ اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں اس سمندر کے کنارے لے جاکر اس میں کود پڑیں گے تو آپ کے ساتھ ہم بھی اس میں کود پڑیں گے اور ایک شخص بھی ہم میں سے پیچھے رہنے والا نہیں ہوگا۔ ہم اس بات سے نہیں گھبراتے کہ کل آپ ہمیں ہمارے دشمنوں کے مقابلہ کے لئے جا کھڑا کریں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے، مقابلہ کے وقت ہم راست باز ثابت ہوں گے اور کیا عجب کہ اللہ ہمارے ہاتھوں وہ کچھ دکھائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں تو اللہ کا نام لے کر آپ ہمیں ہم رکابی کا شرف بخشیے۔"

غور کیجیے کہ کیا یہ تقریریں ان لوگوں کی ہوسکتی ہیں جو ایک غیر مسلح قافلہ پر، جس کی جمعیت شاید کل چالیس آدمیوں پر منحصر تھی حملہ کی سکیمیں سوچ رہے ہوں اور پھر اس امر پر غور کیجیے کہ کیا لفظ لفظ سے یہ بات واضح نہیں ہو رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے اس ابہام کے باوجود، جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا، انصار و مہاجرین دونوں گروہوں پر یہ بات سورج کی طرح روشن تھی کہ آپ کا منشا کیا ہے اور آپ کا رخ کدھر کو ہے۔ البتہ ایک گروہ، جیسا کہ قرآن کے الفاظ سے واضح ہے، ضعیف الایمانوں کا ایسا تھا جو حقیقت کی وضاحت کے باوجود محض اپنی بزدلی کے سبب سے یہ چاہتا تھا کہ حملہ قافلہ پر کیا جائے جو غیر مسلح ہے تاکہ خطرہ کوئی نہ پیش آئے اور لقمہ تر ہاتھ آئے۔ انہی کو مخاطب کرکے فرمایا ہے کہ "وَتَوَدُّونَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ" (تم چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمہارا لقمہ بنے) "شوک" اور "شوکۃ" عربی میں کانٹے کو کہتے ہیں، یہیں سے لفظ "شوکۃ" ہتھیار اور پھر قوت اور دبدبہ کے معنی میں استعمال ہوا۔ چونکہ تجارتی قافلہ غیر مسلح تھا اس وجہ سے اس کے لئے "غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ" کا لفظ استعمال ہوا۔

"وَيُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ" اب یہ اللہ کے ارادے اور منشا کو سمجھنے اور جانچنے کے لئے ایک عقلی اور فطری معیار بتایا گیا ہے کہ اللہ کا ہر حکم و ارادہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے مقصد کے لئے ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کی باتوں کا منشا، اگرچہ وہ مجمل ہوں، متعین کرنے میں اس اصول کو نظرانداز کرنا جائز نہیں ہے۔ جن لوگوں نے قافلہ پر حملہ کرنے کا ارمان کیا انہوں

نے اس بات کا خیال نہ کیا کہ خدا ایک ایسی بات بھی چاہ سکتا ہے جس سے نہ حق کا بول بالا ہو اور نہ اہل کفر کی جڑ کٹے۔ ' کلمات ' کا لفظ، جیسا کہ ہم سورہ بقرہ کی تفسیر میں تشریح کر چکے ہیں، ایک قسم کے ابہام کا حامل ہے۔ چونکہ اس موقع پر بات، جیسا کہ ہم اوپر وضاحت کر چکے ہیں، لوگوں کے سامنے مبہم طور پر رکھی گئی تھی اس وجہ سے قرآن نے اس کو ' کلمات ' کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ جن باتوں کے اندر کوئی ابہام و اجمال ہوتا ہے درحقیقت وہی باتیں ہوتی ہیں جن کے منشا کے تعین کا کام دشوار ہوتا ہے۔ ایسے مواقع میں اہل ایمان کی روش یہ ہونی چاہیے کہ بات کا وہ پہلو اختیار کریں جو اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی شان سے موافقت رکھنے والا ہو نہ کہ اُن کے منافی۔ ' یقطع دابر الکافرین ' کے الفاظ سے قرآن نے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ سارے کفر کی جڑ تو قریش کی جمعیت تھی، کاٹنے کی چیز تھی تو وہ تھی اور اللہ چاہ سکتا تھا تو اس کا کاٹنا چاہ سکتا تھا لیکن ایک گروہ نے تجارتی قافلہ ہی پر وار کر کے تیس مار خاں بننے کی کوشش کی۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ' یہ ٹکڑا ' یقطع دابر الکافرین ' کی غایت واضح کر رہا ہے کہ اللہ نے ان کافروں کی جڑ کاٹنے کا جو ارادہ فرمایا ہے تو اس کا مقصد حق کا بول بالا کرنا اور باطل کو مٹانا ہے۔ خدا کو کسی سے پرخاش نہیں ہے البتہ احقاق حق اور ابطال باطل اس کی صفات کا مقتضیٰ ہے اور اس کا فیصلہ اب خدا نے فرما لیا ہے اور یہ کام ہو کر رہے گا، اور ان مجرموں کے علی الرغم ہو کر رہے گا۔

قرآن کے اشارات کی روشنی میں غزوۂ بدر کی تصویر

اوپر قرآن نے جو اشارات کئے ہیں ان کی روشنی میں غزوۂ بدر کی جو تصویر سامنے آتی ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے جو سیرت و مغازی کی کتابوں میں پیش کی گئی ہے اور جس میں رنگ آمیزی کر کے مستشرقین نے اس کو اور زیادہ بھیانک شکل دے دی ہے۔

قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا مسلمانوں کے ذہن میں قافلۂ تجارت سے تعرض کرنے کا کوئی خیال موجود نہ تھا۔ مدینہ پر حملہ کی ساری سکیم قریش نے بنائی، اور اس کے لئے قافلۂ تجارت کی حفاظت کا بہانہ تراشا۔ قریش مدینہ میں مسلمانوں کے جڑ پکڑنے سے بہت خائف تھے۔ مذہبی عناد کے علاوہ انہیں یہ بھی اندیشہ تھا کہ اب مکہ اور شام کی تجارتی شاہراہ ان کے لئے محفوظ نہیں رہ گئی ہے، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد ہی سے وہ اس فکر میں تھے کہ کوئی عذر تلاش کر کے مسلمانوں کو ایک قوت بننے سے پہلے ہی ختم کر دیں۔ اب یا تو قافلۂ تجارت کے سالار ابوسفیان نے واپسی کے موقع پر کوئی واہمی خطرہ مسلمانوں کے حملہ کا محسوس کیا ہو کہ آدمی بھیج کر قریش کو حملہ کی خبر بھیج دی یا اس کے

نے بھی پہلے سے قریش کے لیڈروں میں کوئی سازش رہی ہو۔ بہرحال ابوسفیان کی اطلاع پر مکہ سے ایک بھاری بھر کم لشکر مدینہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ یہ مرحلہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رویا کے ذریعے سے یہ اطلاع ہوتی ہے کہ قریش کی دو جماعتیں آ رہی ہیں جن میں سے ایک سے مسلمانوں کا مقابلہ ہونا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد مدینہ سے باہر کے لئے نکلنے کا ارادہ فرمایا اور مسلمانوں کے حوصلہ کا اندازہ کرنے کے لئے صورت حال مبہم انداز میں ان کے سامنے رکھی کہ کفار کی دو جماعتیں آ رہی ہیں جن میں سے ایک سے ہمارا مقابلہ ہو گا اور وہ ہم سے شکست کھائے گی۔ مسئلہ کے سامنے آتے ہی مہاجرین و انصار سب سمجھ گئے کہ قریش کی فوج آ رہی ہے اور اس سے مقابلہ درپیش ہے چنانچہ ان کے لیڈروں نے پورے جوش و خروش کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفاداری اور اسلام کے لئے اپنی جان نثاری کا یقین دلایا۔ البتہ ایک مختصر سی ٹولی ان میں ایسی بھی تھی جس نے اپنا زور اس بات کے لئے لگایا کہ قریش کی فوج کے بجائے قافلۂ تجارت فارغ کیا جائے تاکہ بغیر ایک قطرہ خون بہائے بھاری مال غنیمت ہاتھ آئے۔ اسی گروہ کو بے نقاب کرنے کے لئے حضورؐ نے اپنی بات مبہم انداز میں پیش کی تھی تاکہ جن لوگوں کے اندر کوئی کمزوری چھپی ہوئی ہے وہ اپنی کمزوری ظاہر کر دیں اور مخلص و منافق میں مرحلۂ جنگ پیش آنے سے پہلے ہی امتیاز ہو جائے۔

آگے اسی سورہ کی بعض آیات کی روشنی میں ہم انشاء اللہ یہ بھی دکھائیں گے کہ اس جنگ کے لئے یہود نے بھی قریش کی پیٹھ ٹھونکی تھی لیکن میدان جنگ کا نقشہ دیکھ کر وہ اپنی عادت کے مطابق دبک گئے۔

۲۔ آگے کا مضمون آیات ۹ - ۱۹

آیات ۹-۱۹ کا مضمون

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی ان غیبی تائیدات کا حوالہ دیا ہے جو اس موقع پر مسلمانوں کی مدد اور ان کی حوصلہ افزائی کے لئے ظاہر ہوئیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور اسلام کے مستقبل پر ان کا ایمان و اعتقاد مضبوط ہو۔ اوپر کے ٹکڑے میں جن کمزور لوگوں کا ذکر آیا تھا ظاہر ہے کہ وہ مسلمانوں کی جماعتی اصلاح ہی کے نقطۂ نظر سے آیا تھا۔ اب گویا اسی مقصد کے تحت ان باتوں کی یاد دہانی کی جا رہی ہے جن کی یاد داشت آگے کے مراحل میں کام آنے والی تھی۔ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ کفار قریش کو بھی مخاطب کر کے تنبیہ کر دی گئی کہ یہ چپت جو تمہاری لگی ہے یہ تو تمہید ہے۔ تمہاری روش اگر یہی رہی تو آگے ابھی سخت دنوں کا انتظار کرو۔ تم نے اس جنگ کے نتیجے کو حق و باطل کا معیار ٹھہرایا تھا تو اس کا نتیجہ تمہارے سامنے آ گیا اب بھی تمہاری آنکھیں نہ کھلیں، تم نے پھر شرارت کی تو یاد رکھو ہم کہیں چلے نہیں گئے ہیں، کثرت تعداد و وسائل کا سارا گھمنڈ دھرا رہ جائے گا اور تم پھر منہ کی کھاؤ گے، اہل ایمان کے پہلو پر ہم ہیں۔ اس روشنی میں آیات

کی تلاوت فرمائیے :-

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ
آیات ۹-۱۹ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ
بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ
حَكِيمٌ ۝ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم
مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ
الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝ إِذْ
يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا
سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ
الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا
اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ
الْعِقَابِ ۝ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ۝
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا
فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ۝ وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ
إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ
بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝
فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ
رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً
حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ ذَٰلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنُ
كَيْدِ الْكَافِرِينَ ۝ إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِن
تَنتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَعُودُوا نَعُدْ وَلَن تُغْنِيَ
عَنكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

ترجمہ آیات ۹-۱۹ اور یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سنی کہ میں ایک ہزار فرشتے تمہاری کمک پر بھیجنے والا ہوں جن کے پرے کے بعد پرے نمودار ہوں گے اور یہ صرف اس لئے کیا کہ تمہارے لئے خوشخبری ہو اور اس سے تمہارے دل مطمئن ہوں اور

مدد تو تمہارے ہی پاس سے آتی ہے۔ بے شک اللہ عزیز و حکیم ہے۔ یاد کرو جب کہ وہ تم کو چین دینے کے لئے اپنی طرف سے تم پر نیند طاری کر دیتا ہے اور تم پر آسمان سے پانی برسا دیتا ہے تاکہ اس سے تم کو پاکیزگی بخشے اور تم سے شیطان کے وسوسے کو دفع کرے اور تاکہ اس سے تمہارے دلوں کو مضبوط کرے اور قدموں کو جمائے۔ یاد کرو جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کرتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم ایمان والوں کو جمائے رکھو۔ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا تو مارو ان کی گردنوں پر اور مارو ان کے پور پور پر۔ یہ اس سبب سے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ کو اٹھے ہیں اور جو اللہ و رسول کے مقابلہ کو اٹھتے ہیں تو اللہ ان کے لئے سخت پاداش والا ہے۔ سو یہ تو نقد چکھو اور کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ ۹-۱۴

اے ایمان والو، جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو، فوج کشی کی صورت میں تو ان کو پیٹھ نہ دکھائیو اور جو ان کو اس وقت پیٹھ دکھائے گا بجز اس کے کہ جنگ کے لئے پینترا بدلنا چاہتا ہو یا کسی جماعت کی طرف سمٹ رہا ہو تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا۔ اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ نہایت ہی برا ٹھکانا ہے۔ پس تم لوگوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور جب تو نے ان پر خاک پھینکی تو تو نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی کہ اللہ اپنی نشانیاں دکھائے اور اپنی طرف سے اہل ایمان کے جوہر نمایاں کرے۔ بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ جو کچھ ہوا سامنے ہے اور اللہ کافروں کے سارے داؤں بیکار کرکے رہے گا۔ اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو تمہارے سامنے فیصلہ آ گیا اور اگر تم باز آ جاؤ تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم پھر یہی کرو گے تو ہم بھی یہی کریں گے اور تمہاری جمعیت تمہارے کچھ کام نہ آئے گی خواہ کتنی ہی زیادہ ہو اور بے شک اللہ مومنین کے ساتھ ہے۔ ۱۵-۱۹

۳۔ الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۔

(اس امت کی پہلی تائید الٰہی)

"اِنِّیْ مُمِدُّکُمْ" فَاسْتَجَابَ لَکُمْ" کی تفصیل ہے اور فاعل کا صیغہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کی قطعیت کے اظہار کے لئے ہے "اِرْدَافٌ" کے معنی "توالی" یعنی یکے بعد دیگرے ظاہر ہونے کے ہیں۔ یہ اس سب سے پہلی تائید الٰہی کا بیان ہے جو اس موقع پر ظاہر ہوئی۔ مسلمانوں کی تعداد اس جنگ میں بہت تھوڑی تھی یعنی کل ۳۱۳ اور وہ بے سر و سامان بھی تھے۔ ادھر کفار ایک ہزار کے قریب تھے اور ہر قسم کے اسلحہ سے لیس اور سر و سامان سے بھرپور۔ ایسے حالات میں مسلمانوں کو واحد سہارا خدا کی تائید ہی کا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ایک ایک شخص سراپا عجز و نیاز اور یکسر دعا و فریاد بنا ہوا تھا۔ ان دعاؤں کی نوعیت کا اندازہ کرنے کے لئے خود سرور عالمؐ کی اس دعا کو پڑھ لینا کافی ہے جس کے الفاظ احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب نہتے مسلمانوں نے اپنے دل نکال کر اپنے رب کے سامنے رکھ دیئے ہوں گے تو یہ دعائیں قبولیت سے کیسے محروم رہ سکتی تھیں۔ چنانچہ یہ قبول ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت نازل ہوئی کہ تم ہراساں نہ ہو، میں تمہاری کمک کے لئے ہزار فرشتے نازل کرنے والا ہوں۔ مطلب یہ کہ تم ہزار کافروں کی کیا پروا کرتے ہو، تمہارے جلو میں تو ہزار فرشتے ہوں گے۔ ان فرشتوں کے ظہور کی شکل یہ بتائی کہ ان کے دستے کے بعد دستے اور پرے کے بعد پرے نمایاں ہوں گے۔ میدان جنگ میں لڑنے والوں کی یہ سائیکالوجی ملحوظ رہے کہ جن کی حمایت میں کمک کے بعد کمک آ رہی ہو ان کا حوصلہ ہر کمک پر دونا ہوتا ہے، اور اسی اعتبار سے حریف کے اعصاب ڈھیلے پڑتے جاتے ہیں۔ یہ مضمون آل عمران کی آیات ۱۲۵-۱۲۶ میں بھی گزر چکا ہے۔ ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجئے۔

(اہل ایمان کے لئے ابدی بشارت)

"وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ" ضمیر مفعول کا مرجع وہی وعدۂ نصرت ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اس موقع پر تمہارے رب نے یہ صریح الفاظ میں تمہاری مدد کا جو وعدہ فرمایا تو محض اس لئے کہ تم ہراساں تھے، تمہاری ڈھارس بندھ جائے اور تمہارے دل مطمئن ہو جائیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا کہ خدا کی یہ مدد اسی موقع کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ جب بھی اللہ کے مومن بندے اس کی راہ میں جہاد کے لئے نکلیں گے اور ایمان و اخلاص کے ساتھ اس سے طالب مدد ہوں گے وہ ان کی مدد فرمائے گا۔ خواہ اس مدد کے لئے پہلے سے ان کو بشارت ملی ہو یا نہ ملی ہو۔ اس وضاحت کی ضرورت اس وجہ سے تھی کہ صریح الفاظ میں بر سر موقع وعدۂ نصرت نبی کے ذریعہ ہی سے اور اس کی موجودگی ہی میں ہو سکتا ہے تو نبی کی غیر موجودگی میں یا اس کے زمانہ کے بعد کے لوگ کس طرح اطمینان قلب حاصل کر سکتے تھے۔ اس شبہ کے ازالے کے لئے یہ فرما دیا کہ یہ وعدہ اسی موقع کے لئے نہیں تھا بلکہ اہل ایمان

نے کے لئے ابدی ہے۔

کم سوادوں کا ایک مغالطہ

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ' اس لئے کہ مدد تو جب بھی آتی ہے یا آئے گی اللہ ہی کے پاس سے آتی ہے یا آئے گی۔ پس خدا پر بھروسہ کرنے والے ہمیشہ خدا پر بھروسہ کریں، وہ ہمیشہ ان کی مدد فرمائے گا۔ خدا عزیز اور غالب ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے ہاتھ پکڑ سکے لیکن ساتھ ہی وہ حکیم بھی ہے اس وجہ سے اگر کبھی اہل ایمان کو کوئی افتاد پیش آ جائے تو اس میں کوئی حکمت کار فرما اور اس کی تہ میں بھی بندوں ہی کی کوئی مصلحت مضمر ہوتی ہے۔ یہ مضمون سورہ آل عمران میں احد کی شکست کے ذیل میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

اس زمانے کے بعض کم سوادوں نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا کہ فرشتوں کی فوج اتارنے کا وعدہ محض مسلمانوں کو ذرا بڑھاوا دینے کے لئے تھا تاکہ وہ ہمت کر کے کفار سے بھڑ جائیں۔ ان کے خیال میں قرآن نے جنگ کے بعد خود یہ راز کھول دیا کہ یہ بات محض تمہاری تسلی کے لئے کہہ دی گئی تھی، اس کی حقیقت کچھ نہیں تھی گویا نعوذ باللہ پہلے تو اللہ میاں نے مسلمانوں کو چکمہ دیا اور پھر خود ہی اپنا بھانڈا پھوڑ دیا کہ اب کے تو میں نے تم کو چکمہ دے کر لڑا دیا، آئندہ میرے جھانسے میں نہ آنا فرشتوں ورشتوں کی بات محض ایک بھڑکی تھی۔ شاید یہ حضرات اللہ میاں کو اپنے برابر بھی عقلمند نہیں سمجھتے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝

اس جنگ کے سلسلہ کی دوسری تائید الٰہی

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ ' یہ اس جنگ کے سلسلہ کی دوسری تائید الٰہی کا بیان ہے اور ذکر اس شب کا ہے جس کی صبح کو جنگ واقع ہوئی۔ تصویر حال کے مقصد سے صیغہ مضارع کا استعمال ہوا ہے جس کا استعمال تصویر حال کے لئے معروف ہے۔ فرمایا کہ یہ بات بھی خاص اللہ کی طرف سے ہوئی کہ شب میں اس نے تم پر نیند طاری کر دی کہ تمہارے اعصاب و دماغ کو سکون مل گیا اور تم صبح کو جنگ کے لئے چاق چوبند ہو گئے۔ اس نیند کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اس لئے کہ عین میدان جنگ میں ان لوگوں کا جن کی مٹھی بھر جماعت کو صبح ایک دل بادل فوج سے لڑنا ہے تھوڑا سا سو لینا بھی فی الواقع خدا کی تائید ہی کا مظہر ہے۔ نیند تو تھوڑی سی پریشانی سے بھی اچاٹ ہو جاتی ہے چہ جائیکہ ایک ایسی پریشانی میں جیسی کہ اس موقع پر مسلمانوں کو لاحق رہی ہو گی۔ لیکن جن کو خدا کی طمانیت بخشیوں کی تھپکیاں حاصل ہوں وہ تختۂ دار پر بھی سو سکتے ہیں۔ چنانچہ شب میں مسلمان سو بھی اور اس سے ان کے اعصاب اور دل و

دماغ کو اتنا سکون حاصل ہو گیا کہ وہ جنگ کے لئے تازہ دم ہو گئے۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۵۴ کے تحت ہم لکھ آئے ہیں کہ میدانِ جنگ میں فوج کے لئے سو لینے کا موقع مل جانا ہی اول تو بڑی نعمت ہے۔ لیکن اس سے بڑی نعمت اس موقع سے صحیح فائدہ اٹھا سکنا ہے اس لئے کہ نیند کے لئے موقع مل جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کا اصلی انحصار دل و دماغ کی حالت پر ہے اور یہ چیز ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی، انہی کو حاصل ہوتی ہے جن پر خدائے مقلب القلوب اپنے فضلِ خاص سے یہ سکینت طاری کر دے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

عام طور پر لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ اونگھ کی یہ حالت مسلمانوں پر عین اس وقت طاری ہوئی جب کہ زد و خورد کا معرکہ گرم تھا اور حالت یہ ہوئی کہ لوگوں کے ہاتھوں سے تلواریں چھوٹ کر گری پڑتی تھیں۔ لیکن یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ اول تو یہی بات بڑی عجیب سی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی حالت کو اپنے انعام کے طور پر گنائے جس کا فائدہ سرتاسر کفار کے حق میں جاتا ہے۔ ان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا تائید ہو سکتی تھی کہ مسلمان عین لڑائی کے وقت اونگھنے لگ جائیں خواہ یہ کتنے ہی قلیل وقت کے لئے ہو۔ دوسرے یہ بات قرآن کے صریح الفاظ کے بھی بالکل خلاف ہے۔ اس طرح کی نیند کا ذکر قرآن میں دو جگہ آیا ہے۔ ایک آل عمران آیت ۱۵۴ میں، دوسرے یہاں۔ آل عمران کے الفاظ یہ ہیں ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ (پھر اللہ نے تم پر غم کے بعد سکون اتارا یعنی نیند جس نے تم میں سے ایک گروہ کو ڈھانک لیا اور ایک گروہ کو اپنی جانوں کی پڑی رہی)۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ غم سے یہاں غم مراد ہے جو مسلمانوں کو احد کی شکست سے پیش آیا تو جب نیند کے اترنے کا واقعہ اس غم کے پیش آنے کے بعد پیش آیا تو اس کا تعلق وقتِ جنگ سے کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ تو لازماً جنگ کے ختم ہو جانے کے بعد ہی کا واقعہ ہو سکتا ہے۔ اس نیند کے موقع اور اس کی اہمیت کی تفصیل ہم آل عمران کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔

انفال کی زیرِ بحث آیت میں اس نیند کا ذکر ان تائیدات کے بیان کے ذیل میں ہوا ہے جو بالفعل جنگ شروع ہونے سے پہلے ظہور میں آئی ہیں۔ اس کے اوپر آپ نے دیکھا کہ فرشتوں کی فوج اتارنے کی بشارت کا حوالہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بشارت جنگ سے پہلے دی گئی ہے۔ بعد کی آیت میں بارش کے نزول کا ذکر ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ واقعہ بھی جنگ سے پہلے ہوا ہے۔ پھر ان دونوں کے بیچ میں کوئی ایسی بات کیسے آ سکتی ہے جس کا تعلق معرکۂ کارزار سے ہو۔ قرآن نے اپنی ترتیبِ بیان ہی سے واقعہ کا موقع و محل اچھی طرح سے واضح کر دیا ہے لیکن آفت یہ ہے کہ لوگ قرآن پر غور ہی نہیں کرتے۔

ممکن ہے کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ قرآن نے یہاں 'نُعَاس' کا لفظ استعمال کیا ہے جو عربی میں

ابتدائی نیند یعنی اونگھ اور جھپکی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اگر مقصود اطمینان کی نیند کا بیان کرنا ہوتا تو "نوم" یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ استعمال ہوتا۔ ہمارے نزدیک یہ شبہ کچھ وزن نہیں رکھتا۔ اول تو یہ خیال کیجئے کہ شدید پریشانی میں آدمی جس چیز سے محروم ہو جاتا ہے وہ ابتدائی نیند ہی ہے، وہ اگر کسی طرح آ جائے اور ذرا آنکھ لگ جائے تو آدمی کچھ سو ہی لیتا ہے۔ خدا نے اپنے فضل خاص سے یہ چیز مسلمانوں پر اڑھا دی، جیسا کہ یُغَشِّیْکُمُ کے لفظ سے عیاں ہے اس وجہ سے مسلمان سو لیے۔ دوسری بات یہ کہ سفر یا میدان جنگ میں گھوڑے بیچ کر اور مُردوں سے شرط باندھ کر تو کوئی ذی ہوش بھی نہیں سوتا۔ جو بھی سوتا ہے وہ جھپکی والی نیند ہی سوتا ہے اس وجہ سے ہمارے نزدیک قرآن نے یہ لفظ نہایت برمحل اور بلیغ استعمال کیا ہے۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ ۝ یہ تیسری تائید الٰہی کا حوالہ ہے کہ عین موقع پر اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسمان سے پانی برسا دیتا ہے۔ یہاں مِنَ السَّمَآءِ کے الفاظ بڑے بامعنی ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار نے پہلے پہنچ کر پانی کے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس وجہ سے پانی کے باب میں مسلمانوں کو بڑی تشویش تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مِنَ السَّمَآءِ کے الفاظ سے گویا اپنے اس التفات خاص کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ کفار نے جب تمہیں زمین کے پانی سے محروم کرنے کی تدبیر کی تو وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ تمہارے رب نے تمہارے لئے آسمان سے پانی بھیج دیا۔ تیسری تائید الٰہی

لِّيُطَهِّرَكُمْ میں پانی کا جو فائدہ بتایا ہے اس سے صحابہؓ کے ذوق و رجحان پر روشنی پڑتی ہے کہ ایمان و اسلام نے اُن کے اقدار اور پیمانے کس قدر بدل دیئے تھے۔ پانی کا یہ فائدہ کہ پیا جاتا ہے ہر آدمی کو معلوم ہے بلکہ بیل اور گدھے بھی اس سے واقف ہیں۔ مومن کی نگاہ میں پانی کا اصلی فائدہ اور اس کی حقیقی قدر و قیمت اس بات میں ہے کہ وہ پاکیزگی اور طہارت کا ذریعہ اور شیطانی وسوسوں کے دور کرنے کا واسطہ ہے اور یہ چیز اللہ کو بہت محبوب ہے۔ صحابہؓ نے اس موقع پر پانی کے مسئلہ پر غور کیا ہوگا تو ان کے سامنے پینے کی ضرورت سے زیادہ اہمیت کے ساتھ یہ بات آئی ہوگی کہ وضو کیسے ہوگا، طہارت کے لئے کیا بنے گا، غسل کی ضرورت پیش آئی تو کیا صورت ہوگی؟ ان کی اس مخصوص پریشانی کی وجہ سے، جو ان کے جوش ایمان کا مظہر تھی، اللہ تعالیٰ نے پانی کی ان روحانی برکات کا خاص طور پر ذکر فرمایا اور اس کے عام حیوانی فوائد سے صرف نظر فرمایا کہ وہ تو سبھی کے علم میں ہیں۔ صحابہؓ کے ذوق کی رعایت

رِجْزَ الشَّيْطٰنِ سے مراد شیطانی وساوس ہیں۔ اس کے ذکر کا یہاں ایک خاص محل ہے۔ آدمی جب ناپاکی کی حالت میں ہو تو جس طرح گندی چیزوں پر مکھیوں کا زیادہ ہجوم ہوتا ہے اسی طرح گندگی کی

حالت میں شیطانی وساوس کا بھی آدمی پر زیادہ غلبہ ہوتا ہے۔ یہ حقیقت بعض احادیث میں بھی بیان ہوئی ہے علاوہ بریں یہ بات بھی ہے کہ اگر پانی جیسی ناگزیر شے کی نایابی کا سوال پیدا ہو جائے اور وہ بھی عین جنگ کی حالت میں تو شیطان اس کی آڑ میں ایسی بد دلی اور مایوسی پھیلا سکتا ہے کہ بہتوں کا ایمان متزلزل ہو جائے۔

نیند کے فوائد کی تفصیل

وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ، ربط اللہ علی قلبہ فؤادہ و صبّرہ ، خدا نے اس کے دل کو مضبوط کر دیا، اس کو ثبات قلب بخشا، اس کو تھام لیا۔ عام طور پر لوگوں نے اس ثبات، قلب اور ثبات قدم کو بھی مذکورہ بارش ہی کے تحت شمار کیا ہے اور اسی پہلو سے اس ٹکڑے کی تاویل کی ہے۔ لیکن میرا رجحان یہ ہے کہ یہ اس نیند کے فوائد کی تفصیل ہے جس کا ذکر اوپر ہے۔ میرے رجحان کے وجوہ حسب ذیل ہیں۔

اول یہ کہ 'لیربط' میں 'ل' کا اعادہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ بعینہٖ لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ کے تحت نہیں ہے۔ ایسا ہوتا تو بغیر اعادہ 'ل' کے آتا جس طرح وَيُذْهِبَ ہے۔ فصیح عربی میں اسلوب بیان یہی ہے۔ کلام عرب اور قرآن کے نظائر سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس کتاب میں اس کی ایک سے زیادہ مثالیں گزر چکی ہیں۔ بقرہ میں ہے يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۱۸۵ بقرہ (اور اللہ تمہارے لئے سہولت چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا اور تاکہ تم تعداد پوری کرو اور تاکہ تم اس ہدایت پر جو اس نے تم کو بخشی ہے اس کی بڑائی کرو اور تاکہ تم شکر گزار رہو) ہم نے اس آیت کے تحت وضاحت کی ہے کہ یہ اوپر کے بیان کردہ احکام کی الگ الگ علتیں واضح کی گئی ہیں اس وجہ سے ہر ایک کے ساتھ 'ل' کا اعادہ کیا گیا اور یہ ترتیب بیان نزولی نہیں بلکہ صعودی ہے یعنی نیچے سے اوپر کو چڑھتے ہوئے ایک ایک حکم کی غایت واضح کی گئی ہے بالکل اسی اصول پر یہاں بھی ترتیب صعودی ہے۔ پانی کا ذکر سب سے آخر میں ہے۔ پہلے اس کا فائدہ بیان کیا گیا ہے۔ پھر نیند کا فائدہ بیان ہوا جس کا ذکر اوپر تھا اور 'ل' کا اعادہ کر کے یہ اشارہ فرما دیا کہ اس کا تعلق قریبی شے سے نہیں ہے بلکہ دوسری چیز سے ہے۔

دوم یہ کہ ثبات قلب، سکون دماغ اور ثبات قدم کا واضح تعلق نیند ہی سے ہے۔ اسی وجہ سے قرآن نے اس کو 'امنۃ' سے تعبیر فرمایا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر رات بے خوابی اور پریشانی میں گزری ہو، تو دماغ اڑا اڑا پھرتا ہے، دل پراگندہ اور پریشان رہتا ہے۔ آدمی قدم رکھتا کہیں ہے، پڑتے کہیں ہیں۔ ایسی ذہنی اور قلبی پریشانی میں آدمی کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی سلیقے سے نہیں کر پاتا چہ جائیکہ دشمن سے مقابلہ ہو اور

وہ بھی اس دور کی جنگ میں جس میں کامیابی کا انحصار مشینوں کی قوت پر نہیں بلکہ لڑنے والوں کے اپنے اعصاب کی چستی اور قوت پر تھا۔ یہ بات بھی یہاں ملحوظ رہے کہ متعدد عرب شعراء نے اپنے جنگی کارناموں کی تفصیل کرتے ہوئے یہ بات بیان کی ہے کہ ہم نے رات میں اپنے دشمن کو سونے نہیں دیا جس کے سبب سے صبح کو ان کے دل ایسے اڑے ہوئے تھے کہ ہمارے سامنے ان کے قدم نہ جم سکے۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ○ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ۱۲-۱۴

'إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ' یہاں ملائکہ سے مراد ملائکہ کی وہی فوج ہے جس کی اوپر بشارت دی گئی۔ یہ فوج براہ راست رب الافواج کی کمان میں تھی اس وجہ سے اس کو احکام بھی براہ راست اسی کی طرف سے ملتے تھے اور ان احکام کا ذریعہ وحی الٰہی تھی اس لئے کہ فرشتے بھی بایں علوئے مرتبت خدا تک براہ راست رسائی نہیں رکھتے۔

'أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا' یہ پہلا حکم ہے جو اس فوج کو ملا۔ ارشاد ہوا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو۔ اس سے ایک بات تو یہ نکلی کہ خدا کی معیت کے بغیر فرشتے بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ دوسری یہ کہ فرشتوں کا کام بھی بہرحال یہ نہیں تھا کہ وہ مسلمانوں سے یہ کہہ دیں کہ تم الگ ہو کر بیٹھو، ہم لڑ کر تمہارے لئے میدان جیتے دیتے ہیں بلکہ ان کا فریضہ منصبی مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنا تھا۔ گویا اصلی چیز مسلمانوں کی خود اپنی شجاعت اور ثابت قدمی تھی۔ مسلمان اپنا یہ جوہر دکھائیں تو خدا کی مدد ان کے ساتھ ہے۔ سنت الٰہی یہی ہے کہ خدا کے ہاتھ ہمیشہ اسباب کے اوٹ سے کام کرتے ہیں۔

خدا کی نصرت اسباب کے پردہ میں ظاہر ہوتی ہے

'سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ' مطلب یہ کہ اہل ایمان اپنی ثابت قدمی کا ثبوت دے دیں پھر زیادہ دیر نہیں گزرے گی کہ میں کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دوں گا۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ فوج کی اصلی قوت اس کے حوصلہ (MORALE) میں ہوتی ہے۔ اگر حوصلہ بحال رہے تو سپاہی بے تیغ و تفنگ بھی لڑتا ہے اور اگر حوصلہ ٹوٹ جائے تو اسلحہ کے بڑے بڑے ذخیرے غنیم کے لئے چھوڑ کر فوج بھاگ کھڑی ہوتی ہے۔ تو یہ جو فرمایا کہ میں ان کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا یہ کوئی معمولی بات نہیں ہوئی بلکہ یہ تعبیر ہوئی ان کی کمر توڑ دینے کی۔

اصل طاقت حوصلہ ہے

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ، یہ ان کی مرعوبیت کے نتیجہ کی نہایت حقیقت افروز تعبیر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جب ان کا حوصلہ ٹوٹ جائے گا تو ان کو بھیڑوں بکریوں بلکہ گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈال دو۔ اُن کی گردنوں کے اوپر مارو، ان کے ایک ایک پور پر مارو، یہ تصویر ہے مرعوبیت کے باعث ان کی بے بسی کی۔ حریف میں جب تک دم خم ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اس بات کا موقع وہ مشکل ہی سے دیتا ہے کہ آپ جہاں چاہیں اس کے مار دیں لیکن جب اعصاب ڈھیلے پڑ گئے تو پکڑ کر اس کی چندیا پر جوتے لگا دیجئے وہ چوں بھی نہ کر سکے گا۔ تعیین محل کے ساتھ جب کسی کو مارنے کے لئے کہا جائے تو اس میں اس کی تحقیر و تذلیل بھی ملحوظ ہوتی ہے اور اس سے اس کی بے بسی کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ، یہ وجہ بیان ہوئی ہے اس بات کی کیوں خدا ان کے دلوں میں رعب ڈال دے گا، اور کیوں یہ مسلمانوں کے ہاتھوں گاجر مولی کی طرح کاٹے جائیں گے؟ فرمایا کہ اس لئے کہ یہ اللہ و رسول کے مقابلہ کے لئے اٹھے ہیں اور جو لوگ اللہ و رسول سے مقابلہ کے لئے اٹھتے ہیں اللہ ان کو شدید پاداش سے دوچار کرتا ہے۔ انسانی فطرت کے اندر خدا اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے کوئی جواز موجود نہیں ہے، لڑائی کا جواز وہاں ہوتا ہے جہاں کسی حق کی حفاظت مدنظر ہو اور اسی صورت میں لڑائی کا حوصلہ بھی ابھرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا کے مقابل میں کسی حق کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے اس قسم کی جہالت کے لئے جو لوگ اٹھتے ہیں وہ اٹھیں چاہے طوفان کی طرح لیکن مقابلہ پیش آ جائے تو بیٹھ جاتے ہیں بلبلے کی طرح۔ اس لئے کہ ان کے حوصلہ کی بنیاد کسی حق پر نہیں ہوتی۔

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ، اوپر خطاب مسلمانوں سے تھا یہ اثنائے کلام میں ایک بات قریش کو مخاطب کرکے فرما دی کہ یہ جو کچھ بدر میں تمہارے سامنے پیش آیا ہے، یہ نقد عاجل ہے اس کو چکھ لو اور دوزخ کے عذاب کا انتظار کرو۔ یہ گویا اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ، کی وضاحت ہوئی کہ خدا کی طرف سے جو پاداش تمہارے لئے مقرر ہے اس کو اسی پر ختم نہ سمجھو، اصل پاداش کی جگہ دوزخ ہے اس کا انتظار کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا
فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا
مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ
وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ ۱۵-۱۶

زحفاً کا مفہوم

اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا ، زحف کے اصل معنی گھسل گھسل کر یا گھٹنوں چلنے کے ہیں، یہیں سے یہ کسی بھاری بھرکم ساز و سامان سے لدے پھندے لشکر کے جنگ کے لئے نکلنے کے معنی میں استعمال ہوا اس لئے کہ وہ بھی آہستہ آہستہ ہی مارچ کرتا ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ لفظ کا یہ استعمال اس مشینی دور کا نہیں بلکہ اس دور کا ہے جب فوج کی نقل و حرکت، گھوڑوں، گدھوں اور اونٹ وغیرہ کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔

عرب میں جنگ کے دو معروف طریقے

عرب میں جنگ کے دو طریقے معروف تھے۔ ایک منظم فوج کشی کا، دوسرا وہ جس کو اس زمانے میں گوریلا وار فیر کہتے ہیں۔ گوریلا وار فیر کا اصول یہ تھا کہ "حملہ کرو، لوٹو اور بھاگ جاؤ" اس کو کہتے بھی کرّ و فر کی جنگ تھے۔ اس کے لئے چھوٹے چھوٹے دستے نکلتے اور چھاپہ مار کر اپنی جا پناہوں میں چھپ جاتے تھے۔ اس کا کوئی مخصوص ضابطہ نہیں تھا بس جس طرح کامیاب چھاپہ مارا جاسکے اور اپنے کو بچایا جاسکے وہی اس کا اصلی ہنر تھا۔

منظم فوج کشی کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا اس کے لئے ایک ضابطہ تھا جس کی پابندی اہل لشکر کو بھی کرنی پڑتی تھی اور فریقین جنگ بھی جو آپس میں لڑتے تھے، اس کا احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ یہاں آیت میں زیر بحث وہی منظم فوج کشی والی صورت ہے چنانچہ اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے "زَحْفًا" کا لفظ استعمال ہوا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اس حکم کا تعلق گوریلا وار فیر کی صورت سے نہیں ہے۔

آئندہ کی جنگوں سے متعلق ضروری ہدایت

اب یہ مسلمانوں کو آئندہ پیش آنے والی جنگوں سے متعلق ہدایت دی جا رہی ہے کہ جب منظم فوج کشی کی شکل میں دشمن سے تمہارا مقابلہ ہو تو پیٹھ نہ دکھانا۔ یہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی انہی تائیدات پر مبنی ہے جو اوپر مذکور ہوئی ہیں کہ جن کی پشت پر خدا اور اس کے فرشتے یوں مدد و نصرت کے لئے کھڑے ہوں ان کے لئے حرام ہے کہ وہ اپنی پیٹھ دشمن کو دکھائیں۔

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ الایۃ ایسی صورت میں جو لوگ دشمن کو پیٹھ دکھائیں گے فرمایا کہ وہ خدا کا غضب لے کر لوٹیں گے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جرم کفر و ارتداد کے برابر ہے۔ اس جرم کی یہ شدت ظاہر ہے کہ اسی بنیاد پر ہے کہ جو شخص میدان جنگ سے بھاگتا ہے وہ اپنی اس بزدلی سے بسا اوقات پوری فوج بلکہ پوری ملت کے لئے ایک شدید خطرہ پیدا کر دیتا ہے۔

"اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ" یعنی اس سے مستثنیٰ وہ شکلیں ہیں جو کوئی سپاہی کسی جنگی تدبیر کے لئے اختیار کرتا ہے یا کوئی ایسی صورت اس کے سامنے آگئی ہے کہ وہ اپنے ایک مورچہ سے ہٹ کر اپنے ہی کسی دوسرے مورچے کی طرف سمٹنا چاہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام جو چیز ہے وہ فرار کی نوعیت کا پیٹھ دکھانا ہے، وہ پیچھے ہٹنا اس سے مستثنیٰ ہے جو تدبیر جنگ کی نوعیت کا ہو۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۱۷-۱۸

" فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ " میں خطاب عام مسلمانوں سے ہے اور " وَمَا رَمَيْتَ " میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اسی وجہ سے دونوں میں جمع اور واحد کا فرق ہے۔ " رمی " تیر مارنے، کنکر مارنے، کنکر پتھر پھینکنے، خاک اور راکھ جھونکنے سبھی کے لئے آتا ہے۔ روایات میں ہے کہ جب کفار کی فوجیں سامنے ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر خاک زمین سے اٹھائی اور شاہت الوجوہ کہہ کر کفار کی طرف پھینکی۔ " شاہت الوجوہ " عربی میں لعنت کا فقرہ ہے اور کسی کے اوپر خاک پھینکنا نہایت قدیم زمانہ سے لعنت کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ تورات میں بھی اس کا ذکر آتا ہے اور عرب کی روایات سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے۔ سورۂ فیل کی تفسیر میں مولانا فراہیؒ نے اس کے حوالے دیئے ہیں۔

یہاں زبان کا یہ اسلوب بھی نگاہ میں رہے کہ بعض مرتبہ فعل کی نفی سے مقصود نفس فعل کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس فعل کے ساتھ ان شاندار نتائج کی نسبت کی نفی ہوتی ہے جو اس فعل کے پردے میں ظاہر ہوئے۔ مٹھی بھر نہتے مسلمانوں کا قریش کی ٹڈی دل فوج کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈال دینا یا آنحضرت صلعم کے دست مبارک سے پھینکی ہوئی چٹکی بھر خاک کا ایسا طوفان بن جانا کہ تمام کفار کی آنکھیں اندھی ہو جائیں، یہ مسلمانوں کی کمزوروں میں پکڑی ہوئی تلواروں یا پیغمبر کی رمی کے کارنامے نہیں تھے بلکہ اس دست غیب کے کارنامے تھے جو مسلمانوں کی میانوں اور پیغمبر علیہ السلام کی آستینوں میں چھپا ہوا تھا۔ " اَلْبَلَاءُ فِي الْحَرْبِ " " بَلَآءً حَسَنًا " کے معنی ہوں گے اس نے میدان جنگ میں خوب خوب اپنی بہادری کے جوہر دکھائے یہاں تک کہ سب نے اس کا لوہا مان لیا۔ " ابلی اللہ جنیا دکم بلاءً حسنا " کے معنی ہوں گے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے اچھے جوہر نمایاں کئے۔ " وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ " کا معطوف علیہ یہاں عربیت کے معروف قاعدہ کے مطابق محذوف ہے۔ اس لئے کہ اوپر کے الفاظ سے وہ خود بخود واضح ہے۔ اس محذوف کو کھول دیجئے تو گویا پوری بات یوں ہے کہ تاکہ اللہ اپنی نصرت کی شانیں دکھائے اور مسلمانوں کے جوہر اچھی طرح نمایاں کر دے۔

" اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ " اللہ تعالیٰ کی صفات سمیع و علیم کے حوالے سے مقصود یہاں مسلمانوں کو یہ اطمینان دلانا ہے کہ خدا کسی بات سے بھی بے خبر نہیں ہے۔ وہ تمہاری دعائیں اور فریادیں ہر وقت سنتا اور ان کی تدبیریں اور حاجتیں ہر لحظہ جانتا ہے۔ بدر میں اس کی جو مدد آئی تھی وہ اسی

کی تازہ شہادت ہے۔

ذٰلِكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ : ذٰلِكُمْ جب اس طرح آتا ہے تو یہ پورے جملہ کا قائم مقام ہوتا ہے اور اس کے بعد جو حرف ربط آتا ہے اس کا تعلق اس مخفی مضمون سے ہوتا ہے جو اس کے اندر مضمر ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ خدا کی نصرت و تائید کی یہ شانیں جو ظاہر ہوئیں، یہ تمہارے لئے نقد ہیں اور مزید برآں یہ ہے کہ خدا کفار کی ساری چالیں جو وہ تمہارے خلاف چلیں گے بودی ثابت کرتا رہے گا۔ غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ یہ جملہ ٹھیک ٹھیک اوپر کے جملہ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ کا مدمقابل جملہ ہے یعنی کفار کے لئے یہ چپت نقد ہے جو ان کو بدر میں لگی اور تمہارے لئے یہ فتح عظیم نقد ہے جو تمہیں حاصل ہوئی۔ اب آگے ان کے لئے دوزخ ہے اور تمہارے لئے یہ بشارت کہ کفار کی سازشوں کے تمام تار پود بکھر جائیں گے اور دین حق کا بول بالا ہو گا۔

یہ جنگ کفار کی ایک سازش تھی

'كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ' کے الفاظ سے وہ بات صاف نکلتی ہے جس کی طرف ہم نے پیچھے اشارہ کیا ہے کہ یہ جنگ قریش کے لیڈروں کی سازش کا نتیجہ تھی۔ انہوں نے قافلہ تجارت کی حفاظت کا بہانہ تراش کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے، جیسا کہ آگے آیت ۴۲ کے تحت واضح ہو گا، بروقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سازش سے باخبر کر دیا اور مسلمان مدافعت کے لئے تیار ہو گئے۔ اس وجہ سے قرآن نے اس کو 'کید' کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے جس کے معنی چال اور سازش کے ہیں۔ آگے آیت ۴۸ سے انشاء اللہ یہ بات بھی ثابت ہو جائے گی کہ اس سازش میں یہود بھی شریک تھے۔

اجزاء کی وضاحت کے بعد آیت کے سیاق و سباق پر ایک نظر پھر ڈال لیجئے۔ اوپر کی آیات میں مسلمانوں کو جس جانبازی و سرفروشی کی دعوت دی ہے یہ اسی کی دلیل بیان ہوئی ہے کہ تم کیوں جان چراؤ اور کیوں پیٹھ دکھاؤ جبکہ تم نہیں لڑتے بلکہ تمہاری طرف سے خدا لڑتا ہے۔ لڑتا دراصل خدا ہے البتہ وہ تمہارے لئے میدان فراہم کرتا ہے کہ تمہارے جوہر نمایاں ہوں اور تم دین و دنیا دونوں کی سرفرازی حاصل کرو۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَ اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ
لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَ لَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا
وَّ لَوْ كَثُرَتْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اس جنگ کا مقصد

اس آیت میں براہ راست قریش کو مخاطب کر لیا ہے کہ لو لو، اب کیا کہتے ہو؟ تم تو یہی کہتے تھے کہ اس جنگ میں جو جیتا وہ حق پر سمجھا جائے گا تو فتح تو تمہارے سامنے آ گئی۔ یہ بات یہاں ملحوظ رہے کہ قریش کے لیڈروں نے اپنی کثرت تعداد کے نشہ میں اس موقع پر خوب بڑھ بڑھ کے تقریریں کیں چونکہ ان کو

اپنی فتح کا سو فی صدی یقین تھا اس وجہ سے انہوں نے اس جنگ کو فیصلہ کی میزان ٹھہرا لیا کہ یہ میزان جو فیصلہ کر دے گی وہ اس کو بے چون و چرا تسلیم کر لیں گے۔ ابوجہل اس جنگ کے برپا کرنے میں سب سے زیادہ سرگرم تھا۔ اس کی یہ دعا کتابوں میں مذکور ہے کہ " اللّٰھُمَّ اقطعنا للرحم فاحنہ الغداۃ " (اے اللہ فریقین میں سے جو سب سے زیادہ قطع رحم کا مجرم ہوا ہے تو کل اس کو کچل دیجیو) قرآن نے قریش کی انہی لن ترانیوں کو سامنے رکھ کر کہا ہے کہ اگر اس جنگ کی فتح پر فیصلہ کا انحصار تھا تو اس قاضی کا فیصلہ تو صادر ہو گیا۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ غزوۂ بدر کی اسی خاص نوعیت کی بنا پر قرآن نے اس کو یوم الفرقان سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر دینے والی جنگ۔ آگے آیت ۳۲ کے تحت یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ قریش علانیہ بڑی ڈھٹائی سے یہ کہتے تھے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت حق ہے تو خدا ہم پر پتھر برسا دے یا کوئی اور عذاب ہم پر آ جائے تب ہم مان لیں گے۔

' اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ' میں نصیحت بھی ہے فضیحت بھی۔ مطلب یہ ہے کہ بہتر ہے کہ اس سے سبق لو اور اگر سبق نہ لیا تو یاد رکھو کہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑو گے اپنی ہی شامت بلاؤ گے۔

وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ' میں کھلی ہوئی دھمکی ہے کہ اگر تم نے پھر اس قسم کی شرارت کی تو یاد رکھو کہ ہم کہیں چلے نہیں جائیں گے، تمہارا سر کچلنے کے لئے اسی طرح ہم پھر آ موجود ہوں گے۔ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ اور تمہاری جمعیت تمہارے کچھ کام نہ آسکے گی خواہ کتنی ہی زیادہ ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ واحد چیز جو تم سوچ سکتے ہو یہی ہے کہ آئندہ مزید قوت و شوکت کے ساتھ حملہ کرو۔ سو یہ چیز بھی تمہارے کچھ کام آنے والی نہیں بس یہ ہو گا کہ ہماری چکی کے لئے کچھ اور ایندھن فراہم کرکے لاؤ گے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ، یہ ٹکڑا ساری آیت کی جان اور اس کے دو لفظوں میں کفار کے لئے دھمکیوں کا اور اہل ایمان کے لئے بشارتوں کا ایک جہان ہے۔ فرمایا کہ اب آئے جس کو آنا ہو اور لڑے جس کو لڑنا ہو اور جمع کرے وہ جتنی جمعیت جمع کر سکتا ہو، اہل ایمان کے ساتھ ہم ہیں ہم! سبحان اللہ!

؎ کیا غم ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

ادارہ

تعارف کتب

(۱) **سیرت امام ابو حنیفہ رح** | تالیف پروفیسر حکیم سید لی احمد عباسی ایم ایس سی (علیگ) فاضل اسلامیات : ناشر : مکتبہ محمود ۱/۴۴ پی ایریا، لیاقت آباد کراچی ۱۹۔ سائز $\frac{۲۰ \times ۳۰}{۱۶}$ " صفحات ۲۲۴۔ کتابت وطباعت باعرہ نواز کاغذ گلیزڈ نیوز غیر مجلد۔ قیمت صرف تین روپے۔

ملک کے نامور مورخ اور محقق علامہ محمود احمد صاحب عباسی نے "تعارف" میں تحریر فرمایا ہے کہ :

"کسی شیعہ نے جو اپنے نام کے ساتھ "الاجتہادی" کا دُم چھلا بھی لگاتے ہیں ایک لچر کتابچہ اس نام سے شائع کرایا ہے " امام ابو حنیفہ شیعہ تھے " لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ اس تاریخی بکواس کی کامل تردید و تکذیب شیعان ہند کے "شہید ثالث" قاضی نور اللہ شوستری علیہ ما علیہ جیسے غالی شیعہ کی تصریحات سے ہو جاتی ہے جو ان کی مشہور تالیف "مجالس المومنین" کے صفحات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ شوستری نے بہت سے اکابر اہل سنت مثلاً امام غزالی رح، شیخ سعدی رح، مولانا رومی رح اور عارف جامی وغیرہم کو زمرہ شیعہ میں شامل کیا ہے لیکن امام اعظم رح کے بارے میں صاف کہہ دیا ہے کہ " ابو حنیفہ کوفی کہ امام اعظم خواجہ سنی است" (جلد ۲ صفحہ ۲۸۰)

شیعہ کتابچہ نویس نے اتہام شیعیت کے ساتھ امام صاحب کو شاگرد بھی زید بن علی بن حسین رض بن علی رض کا بنا دیا ہے۔ لیکن شوستری ہی نے اس شاگردی کی حقیقت بھی شیعی جبلت سے گستاخانہ طرز عبارت میں بیان کی ہے۔

"حضرت امام جعفر سے ابو حنیفہ کی شاگردی صرف اس قدر تھی کہ ابو حنیفہ نے آنحضرت سے کچھ احادیث سنی تھیں چونکہ آنحضرت ابو حنیفہ کو مردودوں میں سمجھتے تھے اس لئے ان سے تقیہ کرتے تھے اور ان پر مذہب حق کا اظہار نہیں کرتے تھے۔"

"اس کتاب یعنی سیرۃ امام اعظم ابو حنیفہ رح کے فاضل مصنف نے مورخانہ معیار تحقیق سے امام

صاحب کے مذہب کے ہر پہلو کو بالوضاحت بیان کرکے ان اکاذیب وخرافات کی حقیقت بیان کر دی ہے جو مخالفین نے اپنے ذہنوں سے تراش کر منتشر کیں" (انتہیٰ بلفظہٖ)

اس کے بعد پیش لفظ میں فاضل مصنف یوں رقمطراز ہیں :-

"معتبر مآخذ کی روشنی میں جو باتیں سامنے آتی ہیں ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب پوری طرح جماعت سے وابستہ تھے۔ شیعیت کی ان میں رمق بھی نہیں تھی ... جو ائمہ فقہ و حدیث امت میں اپنا مقام رکھتے ہیں۔ ان کے متعلق عموماً ایسی روایتوں کو شہرت دی گئی جن سے معلوم ہو کہ وہ حکومت کی اطاعت کو واجب نہیں جانتے تھے۔ یہ خیال محض اس لئے قائم کی گئی ہے کہ اس سیاسی نظام کی حیثیت شرعی نہ رہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اجماع سے قائم کیا تھا ...

برصغیر پاک و ہند کے مشہور عالم مناظر احسن گیلانی جنہوں نے امام ابوحنیفہ رح کی سیاسی زندگی لکھی یا مودودی صاحب جنہوں نے حال ہی میں رسوائے زمانہ کتاب "خلافت و ملوکیت" لکھ کر امت پر اور خود اپنے اوپر ظلم عظیم کیا ہے یا مصر کے شیخ ابو زہرہ جنہوں نے ائمہ اربعہ پر کتابیں لکھیں ان میں سے کسی نے ان ائمہ کی شخصیتوں کے سیاسی مواقف پر تبصرہ کرتے ہوئے تحقیق سے کام نہیں لیا بلکہ درایت سے منہ موڑ کر غیر محتاط مؤلفوں کی متضاد خرافات پر تکیہ کرکے وہ باتیں ان بزرگواروں کی طرف منسوب کر دیں جو کسی طرح بھی تاریخی حیثیت سے ثابت نہیں کی جا سکتیں" (انتہیٰ بلفظہٖ)

فاضل مصنف نے یہ کتاب لکھ کر مسلمانوں پر عموماً اور احناف پر خصوصاً احسان عظیم کیا ہے کہ ان کے امام کو سبائیت کی تہمت سے بری کیا ہے اس زمانے میں جبکہ باطل پوری قوت کے ساتھ حق پر حملہ آور ہوا ہے۔ پروفیسر صاحب کی یہ تصنیف جہاد بالقلم کا بہترین نمونہ ہے۔

بطور نمونہ ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے :

"امام ابوحنیفہ کو صحابہ کرام اور بنی ہاشم کی طرز عمل معلوم تھا کہ وہ اموی خلافت کے خلاف خروج کو ناجائز سمجھتے تھے ... امام صاحب رح اپنے شیخ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو کیسے فراموش کر سکتے تھے جو صحیح بخاری میں مذکور ہے " اس سے بڑی کوئی غداری نہیں کہ ہم پہلے تو ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کریں پھر اس سے لڑنے کے لئے کھڑے ہو جائیں (جلد دوم کتاب الفتن)

"امیر المومنین یزید کے خلاف ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی حمایت میں اہل مدینہ نے جو بغاوت کی اور حرہ کا افسوسناک واقعہ پیش آیا اس کے متعلق حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں لکھتے ہیں (جلد ۸ صفحہ ۲۰۷)

"حضرت علی بن حسین (زین العابدین) اُن لوگوں (باغیوں سے) الگ رہے اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی۔ ان دونوں نے (امیرالمومنین) یزید رحؒ کی بیعت نہیں توڑی اور اسی طرح آل عبدالمطلب (یعنی بنی ہاشم) میں سے بھی کسی نے بیعت نہیں توڑی"

اس کے بعد فاضل مصنف یہ نتیجہ نکالتے ہیں :-

"امام ابو حنیفہ کے یہ دونوں شیخ (عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ) اجلۂ صحابہ میں سے ہیں ان کا طرز عمل اُن کے سامنے تھا اور انہی کے نظریات کے تحت ان کی پرورش ہوئی تھی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ ان میں شیعیت کی کوئی رمق آسکے۔ علاوہ ازیں تابعین عظام میں جو ان کے اساتذہ ہیں یعنی قاضی شریح م ۸۰ھ علقمہ م ۶۲ھ۔ مسروق ابن اجدع م ۶۳ھ اور اسود ابن اندم ۹۴ھ جو خاص حادثہ کربلا کے وقت موجود تھے۔ ان حضرات میں سے کسی نے جمہور صحابہ کرام رضؓ کے موقف کے مطابق حضرت حسینؓ کے اقدام کی تائید نہیں کی تاآنکہ خود حضرت حسین نے کوفے پہنچنے سے پہلے جب وہاں کے حالات معلوم کرلئے کہ عراق پوری طرح امیرالمومنین یزید رحؒ کی بیعت پر مجتمع ہے اور سبائیوں نے جو کچھ بیان کیا تھا وہ سب جھوٹ تھا تو آپ نے اپنے موقف سے رجوع کا اعلان کر دیا اور امیرالمومنین یزید رحؒ سے بیعت کرنے کے لئے کوفے کی راہ سے ہٹ کر براہِ کربلا دمشق کی طرف چل پڑے لیکن جو سائٹھ سبائی آپ کے ساتھ تھے اور مکہ مکرمہ سے آپ کو سبز باغ دکھا کر اپنے ساتھ لائے تھے ان کے سبب سے حادثہ کربلا رونما ہوا۔ اس حادثے کی ذمہ داری ہم عصر اُمت نے حکومت پر نہیں ڈالی یعنی نہ عمر ابن سعد پر نہ امیر عبیداللہ پر چہ جائیکہ وہ امیرالمومنین یزید رحؒ کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتے حتیٰ کہ ابن الزبیرؓ نے جب امیرالمومنین رحؒ کے خلاف بغاوت کروائی تو انہوں نے بھی ان کے معائب میں خونِ حسینؓ کا نام نہیں لیا اور لیتے بھی کیسے؟ جبکہ انہیں صورت حال کا صحیح علم تھا اور وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ اس بغاوت میں کوئی ہاشمی شریک نہیں ہو رہا۔ کیونکہ حضرت حسینؓ کے آخری موقف کی پذیرائی میں اُن حضرات نے جو زندہ بچے تھے، دمشق جاکر امیرالمومنین یزید سے بیعت کرکے حضرت حسین کا منشا پورا کر دیا۔ اسی طرح امام اعظم کے اساتذہ کرام جو عہد مرتضوی میں موجود تھے انہوں نے صفین کی جنگ میں حصہ نہیں لیا اور غیر جانب دار رہے۔ اسی طرح ان کے جو اساتذہ حادثہ کربلا کے وقت کوفے میں موجود تھے انہوں نے حضرت حسین کا ساتھ نہیں دیا اور ان کے خروج کو جائز

> نہ جاننا۔ ان حقائق تاریخیہ کی روشنی میں وہ سب تصورات باد ہوا ثابت ہوتے ہیں جو روایات واہیہ کے ذریعے سے امام اعظم ابو حنیفہ کو شیعیت سے متہم کرنے کے لئے وضع کیے گئے۔"

فاضل مصنف نے امام ابو حنیفہ کو شیعیت سے بری کرنے کے لئے ساری کتاب میں اسی قسم کے ناقابل تردید دلائل اور شواہد جمع کئے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اس کتاب کو پڑھ لینے کے بعد کوئی شخص نہ تو امام صاحب کو شیعہ سمجھ سکتا ہے اور نہ سبائیت کے طلسم میں گرفتار ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فاضل مصنف کو جزائے خیر دے کہ وہ اس زمانے میں جبکہ "حریف ملک کے تمام تھانوں میں رپٹ لکھوا رہے ہیں ایسی بصیرت افروز کتابیں شائع کر رہے ہیں۔ (م ی خ)

۲- قرآنی تعلیمات کا نقطۂ ماسکہ : توحید

تالیف قاری عبید الحمید فاروقی۔ ناشر۔ السلامک ریسرچ مشن جھنگ پاکستان۔ سائز عام کتابی، صفحات ۲۱۶، کاغذ سفید، طباعت گوارا پیپر بیک، قیمت ۴/۵۰

کتاب کے موضوع اور مواد استدلال کے بارے میں خود مولف کی تصریحات بہت واضح ہیں۔

"اس کتاب کا موضوع توحید ہے۔ اس کی تشریح اور توضیح اور مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے لئے قرآن پاک کی صدہا آیات سے استدلال کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث پر قرآن پاک کی تعلیمات کی روشنی میں ایک جامع اور مکمل بحث سامنے آ جائے اور کوئی گوشہ تشنہ تکمیل نہ رہنے پائے۔ کتاب کی تالیف کا اصل مقصد اہل بصیرت اور غور و فکر کرنے والے افراد کی توجہ کا رخ توحید کی افکار کی طرف پھیرنا ہے۔ یہ جدل و مناظرہ کی کتاب نہیں ہے لہذا اسے کتاب الحرب تصور کرنا یا حرب العقائد کا اکھاڑہ بنانا نہ صرف موضوع کی روح بلکہ اپنی قوت غور و فکر اور نقد و نظر پر بھی ظلم کے مترادف ہوگا۔ میں نے جماعتی و گروہی حد بندیوں اور امتیازات سے بالاتر رہتے ہوئے صرف اور صرف قرآن کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے یہ مواد آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے .... نہایت سادہ اور واضح حقیقت ہے کہ جب خالق کائنات اللہ کے سوا اور کوئی نہیں ہے بلکہ سب نبیوں، ولیوں اور نیک لوگوں کو اسی نے پیدا کیا ہے تو مخلوقات میں سے کوئی اپنے جیسی مخلوق اور اپنے جیسے انسان کا رازق اور کارساز کیونکر ہو سکتا ہے؟ انسان کو ایک اللہ نے ہی شکم مادر کی تاریکی میں پیدا کیا اور اس میں کوئی چھوٹا یا بڑا بزرگ شریک نہیں

تو کیا وجہ ہے کہ یہی انسان جو ان ہونے پہ غیر اللہ یعنی بزرگوں کی چوکھٹوں پہ جبہ سائی کرتا پھرے؟ ان تمام صورتوں کا کوئی جواز نہیں ہے بلکہ ذہن انسانی کی من گھڑت حیلہ سازیاں ہیں اور تفوہم پارینہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔"

گویا اس کتاب کا اصل موضوع شرک کے صرف وہ مظاہر ہیں جو اس دور میں اکثر و بیشتر صرف جہلا یا معاشرے کے پست طبقات میں پائے جاتے ہیں۔ دور جدید میں شرک کی پرانی شراب جن نئی بوتلوں میں بک رہی ہے اور اس اُم الضلالت نے جو نئے بھیس اختیار کیے ہیں وہ یا تو اس کتاب کے نوجوان مؤلف پہ خود بھی واضح نہیں یا یہ کہ انہوں نے جان بوجھ کر ان سے صرف نظر کیا ہے۔ واللہ اعلم ——— البتہ متذکرہ بالا عام مذہبی حلقوں میں مروجہ مشرکانہ اوہام و رسوم کے ضمن میں مولف نے قرآنی آیات کا ایک اچھا ذخیرہ جمع کر دیا ہے اور اس اعتبار سے بلاشبہ اس کتاب کا مطالعہ افادیت کا حامل ہے۔

یہ کتاب دارالاشاعت الاسلامیہ لاہور سے بھی دستیاب ہو سکتی ہے۔ (ادارہ)

دعوت و تبلیغ دین کے موضوع پر مولانا امین احسن اصلاحی کی شاہکار تصنیف

دعوت دین اور اس کا طریق کار

فہرست ابواب : ★ مروجہ طریقہ تعلیم کی غلطیاں ★ تبلیغ کس لئے؟ ★ انبیاء کرام پہلے کن کو مخاطب کرتے ہیں؟ ★ انبیاء کا طریق خطاب ★ دعوت دین میں تدریج ★ دعوت حق کے طریقے ★ دعوت کی زبان اور داعیانہ طرز کلام ★ انبیاء کرامؑ کا طرز استدلال ★ مخاطب کی نفسیات کا لحاظ ★ انبیاء کرامؑ کا طریق تربیت ★ داعی حق کی ذمہ داری ★ دعوت حق کے مخالفین ★ دعوت حق کے موافقین ★ دعوت حق کے مراحل

سائز ۲۲ × ۱۸/۸ : صفحات ۲۳۲ : کاغذ نیوزپرنٹ، طباعت آفسٹ

مجلد مع ڈسٹ کور ۔ قیمت ۵/۰۰

دارالاشاعت الاسلامیہ کوثر روڈ، اسلام پورہ لاہور ۱ فون ۶۹۵۲۲

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا

مبادئ تدبرِ قرآن

از

مولانا امین احسن اصلاحی

* عمدہ سفید کاغذ پر آفسٹ کی طباعت میں

* بڑے سائز یعنی ۱۸×۲۲/۸ کے ۲۰۰ صفحات پر مشتمل

* مضبوط جلد اور دبیز آفسٹ پیپر کے خوشنما ڈسٹ کور کے ساتھ

بقول مصنف

"........میں ہر اس شخص کو جو ہمارے طریقہ پر قرآن پر غور کرنا چاہتا ہو' یہ مشورہ دوں گا کہ وہ اس کتاب کو نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار غور سے پڑھ لے ، اسی سے تدبر قرآن کے ان اصولوں کی رہنمائی ہوگی جو میں نے اپنے استاد سے سیکھے تھے اور جو میں نے اپنی تفسیر میں ملحوظ رکھے ہیں ۔ میرے نزدیک یہی اصول ہیں جو ہمارے سلف صالحین میں سے ان لوگوں نے ملحوظ رکھے جن کو علم قرآن میں سے حصہ ملا اور آج بھی وہی لوگ قرآن میں سے کوئی حصہ پائیں گے جو ان اصولوں کو رہنما بنا کر قرآن میں غور کریں گے"

قیمت چھ روپے (محصول ڈاک ایک روپیہ)

★

دار الاشاعۃ الاسلامیۃ لاہور

Regd. No. L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol 18 | AUGUST 1971 | No. 7-8

علوم قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی شہرۂ آفاق تفسیر

تدبرِ قرآن

کی دو جلدیں طبع ہو چکی ہیں

بڑی تقطیع یعنی $\frac{۲۲ \times ۲۹}{۸}$ سائز پر

آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت

کاغذ نہایت عمدہ دبیز سفید

اصلی سنہری ڈائی اور چرمی پشتے کی خوشنما اور مضبوط پائیدار جلد

- ★ **جلد اول :** مشتمل بر مقدمہ ، تفسیر آیۃ بسم اللہ ، سورہ فاتحہ ، سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران .... صفحات : ۸۰۰
- ★ **جلد دوم :** مشتمل بر تفاسیر سورۂ نساء ، سورۂ مائدہ ، سورۂ انعام اور سورۂ اعراف .... صفحات : ۸۰۸

ہدیہ فی جلد ۳۰/۰۰ محصول ڈاک ۳/۰۰

(تینتیس روپے ارسال فرما کر بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک طلب فرمائیں ۔
وی پی سے منگوانے کی صورت میں دس روپے پیشگی ارسال فرمائیں) ۔

دار الاشاعۃ الاسلامیۃ لاہور

کوثر روڈ ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ۔ ۱ (فون : ۶۹۵۲۲)

پبلشر : محی الدین ۔ طابع : شیخ محمد اشرف مالک اشرف پریس ایبک روڈ ۔ لاہور
مقام اشاعت : کوثر روڈ ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ۔ ۱